جاوداں

جاں نثار اختر

اشاعت	ایک ہزار
قیمت	تین روپیہ

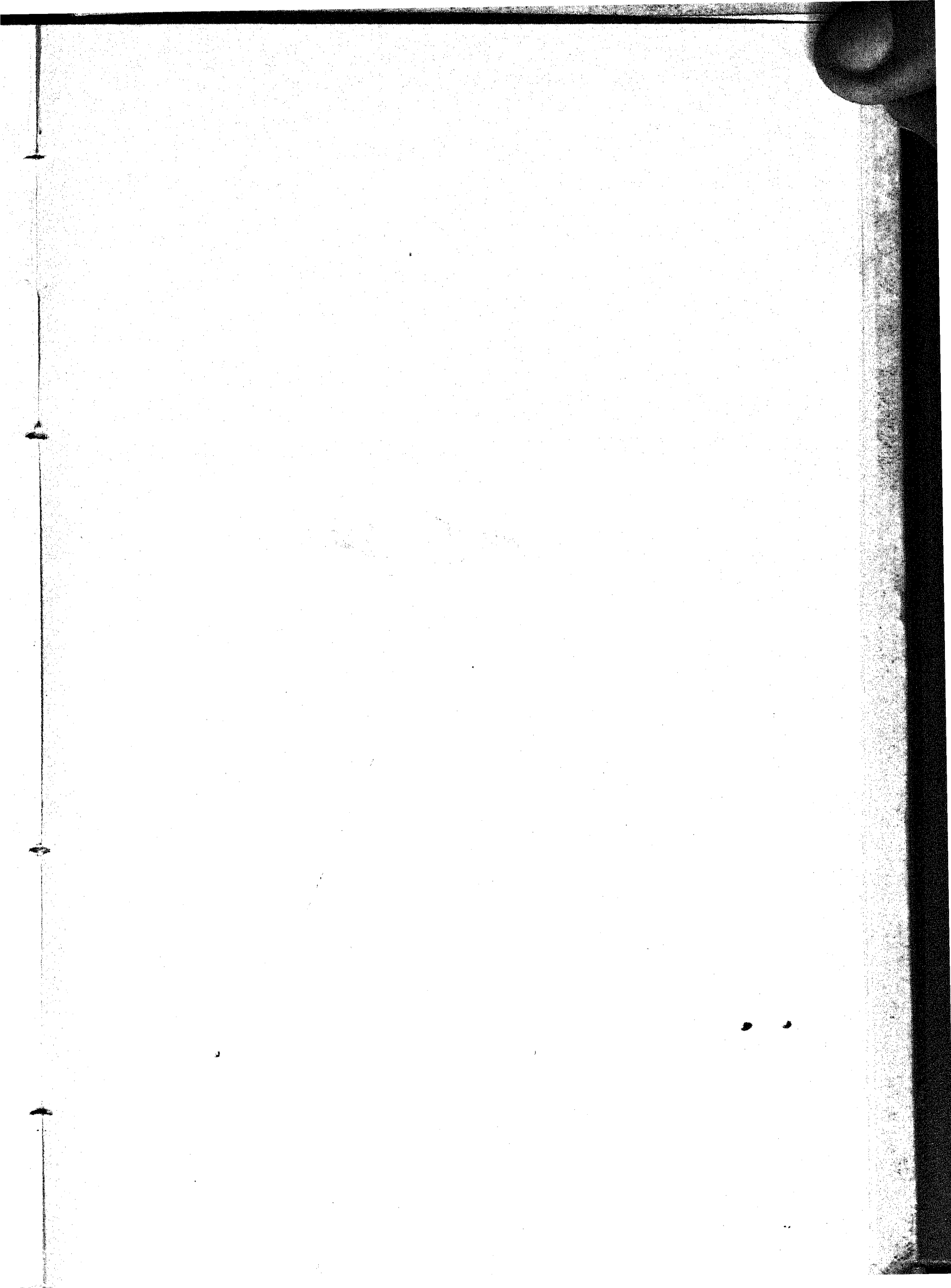
اِدارہ "ادب و زندگی" ۲۱ آرکیڈیا بلڈنگ بائیکلہ بمبئی

فہرست

اشاعت	ایک ہزار
قیمت	تین روپیہ

اِدارہ "ادب و زندگی" ۲۱ آرکیڈیا بلڈنگ باٹیکلہ بمبئی

فہرست



جاوداں میری ۴۷ء سے ۶۵۴ء تک کی نظموں، غزلوں
اور رباعیوں کا منتخب مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کو صفیہ کے
نام منسوب کرتے ہوئے میں نے ضروری سمجھا کہ پہلے کی
وہ چند نظمیں بھی اس میں اضافہ کردوں جن کا پس منظر خود اسکی
ذات رہی ہے۔ چنانچہ بعض نظمیں ۴۳ء سے ۴۶ء تک
کی بھی اس میں شامل کردی ہیں۔ یوں بھی اپنے اندازِ بیان
اور فنی اسلوب کے اعتبار سے ان نظموں کو اس مجموعہ ہی

میں شامل ہونا چاہیئے تھا۔

مجھے جاوداں کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں کہنا اتنا جانتا ہوں کہ آپ کو دوچار نظمیں ضرور ایسی مل جائینگی جو اس مجموعہ کے نام کی لاج رکھ لیں ۔ رہا انتساب، تو یہ صفیہ سے نہ صرف میرے انمٹ پیار کا اظہار و اقرار ہے، بلکہ میرے شاعرانہ وجدان اور فنی شعور کے ارتقا میں جو کچھ اس کا حصّہ رہا ہے اس کا اعتراف بھی۔

جاں نثار اختر

یہ چرخ، یہ خورشید، یہ انجم، یہ قمر
یہ قوسِ قزح، یہ دشت، یہ سبزۂ تر
یہ سرو، یہ ساحل، یہ شگوفے، یہ شفق
تم ہوتے تو کاہےکو بھٹکتی یہ نظر

ہر رات جگا دیتی ہے جادو اب تک
کھل جاتے ہیں مہکے ہوئے گیسو اب تک
کس ناز سے شانے پہ مرے سر رکھ کر
سوتی ہے تری زلف کی خوشبو اب تک

یہ نشۂ دماغ و دِل پہ کیسا چھایا
یہ روح میں اک گیت سا کیا لہرایا
رگ رگ میں شرارے سے یہ کیوں دَوڑ گئے
سینے پہ مرے پڑا یہ کس کا سایا

تخئیل میں جگمگا رہی ہو کب سے
چھپ چھپ کے لویں جلا رہی ہو کب سے
آؤ آؤ، مرے مُقابل آؤ!
پیچھے کھڑی مسکرا رہی ہو کب سے

شرمندہ ذرا چمن کو کر لوں آؤ!
گُلشن سے بھی کچھ بڑھ کے سنور لوں آؤ!
یہ پھُول سا شاداب مہکتا ہوا جسم،
اک بار تو گود تُم سے بھر لوں آؤ!

باہوں کا سُبک ہار لئے آئی ہو
آغوش کا گلزار لئے آئی ہو
ہنستی ہوئی اِن کیف بھری آنکھوں میں
اک نشۂ بیدار لئے آئی ہو

زربفت، نہ دیبا، نہ حریر و مخمل
گردن میں کوئی ہار، نہ کوئی ہیکل
لپٹی ہوئی یہ جسم پہ سادہ ساری
لپٹا ہوا ساری کا گلے میں آنچل

یہ پھول سا لہجہ، یہ رسیلی آواز
یہ تیرے تکلّم کا دل آویز انداز
یہ لوچ، یہ نرمی، یہ گھلاوٹ، یہ کشش
صدقے ترے اک لفظ پہ سَو رازو نیاز

بکھرے جو حسیں زلف بکھر جانے دے
اِس وقت کو کچھ اور سنور جانے دے
باقی نہ رہے صبح کا دھڑکا کوئی،
اِک رات تو ایسی بھی گذر جانے دے

شبنم سے ابھی رات کو دُھلنے دے ذرا
آنکھوں میں خمارِ شب تو گھُلنے دے ذرا
جائے گی کہاں رات بچاکر دامن
ساقی کی ابھی زلف تو کھُلنے دے ذرا

چھیڑے ہیں ہوا نے نرم کرنوں کے سِتار
سُورج ہے لئے جامِ صبُوحی تیّار
پھولوں کی مہک چُوم رہی ہے آنکھیں
بیدار ہو اے نیند کے ماتے بیدار

ہر لمحۂ حاضر ہے طرب کا ضامن
کھلتی ہوئی راتیں ہیں تو ہنستے ہوئے دن
ہر عشرتِ ممکن سے لبھائے ہوئے دل
ماضی سے محبت نہیں جاتی لیکن

رہ رہ کے ہوا دل کی بدل جاتی ہے
صحبت کبھی پھولوں کی بھی کھل جاتی ہے
لیکن کبھی اک سانس جو لیتی ہے کلی
سینے کی ہر اک پھانس نکل جاتی ہے

وہ دیکھ! وہ عارض کے جواں پھول کھلے
پلکوں کے وہ لہرائے فضا میں سائے
وہ جام لئے مست نگاہیں اُٹھّیں
اُڑتے ہوئے وہ زلف کے بادل آئے

اے شمعِ گل افروز ترے آنے کی
محفل میں چھڑی ہوئی تھیں باتیں کب سے
اے زہرۂ ناز! اے نگارِ خورشید
اِس دن کو ترس رہی تھیں راتیں کب سے

قربان ہر اک مظہرِ فطرت تجھ پر
اے نغمہ و نکہت کی حسیں شہزادی
آنکھوں کے یہ سرشار رسیلے چشمے
سینے کی یہ شاداب مہکتی وادی

یہ نیند سے ہوتی ہوئی بوجھل پلکیں،
لو تیز ستاروں کی کہو کم کر دوں،
چبھتی ہوں جو آنکھوں میں لپکتی کرنیں
میں چاند کا یہ چراغ مدھم کر دوں،

شبنم سے کہو گلوں پہ نرمی سے گرے
مستانہ شمیم سانس روکے ہوئے آئے
گائے نہ لہک کے اس کے غرفے میں صبا
کچّی ہے ابھی نیند، کہیں جاگ نہ جائے

یہ کون گلستاں میں خراماں ہے کہ آج
اِک رقص بھی ہے فضا میں آہنگ بھی ہے
یہ کِس نے سرِ سیر اُلٹ دی ہے نقاب
خوشبو ہی نہیں ہوا میں اک رنگ بھی ہے

اُمید کی رفعتوں میں وہ تیرا خیال
دل تک کوئی عکس بھی نہ غم کا آیا
اُڑتے ہوئے اونچے پہ کسی طائر کا
رہ جائے کہیں فضا میں جیسے سایا

یا چاند ترے سامنے آتے جھجکے
نظریں ہوں ستاروں کو اُٹھانا مشکل
یا ہجر کی طوفان زدہ راتوں میں
یوں شمع کی لَو کے ساتھ کانپے ترا دِل

آنسو ہیں کہ بلّور کے قطرے جیسے
نظریں ہیں کہ کرنوں کے پگھلتے ہوئے تار
یوں اشک بھری آنکھ سے دیکھا تونے
پڑنے لگی دِل پہ سات رنگوں کی پھوار

اب عشق و محبّت کے وہ نغمے نہ رہے
سینے میں ہے آج دل کی دھڑکن خالی
جس طرح چہک کر کوئی طائر اُڑ جائے
اور جیسے لچکتی رہے سُونی ڈالی

خاموش ہے ٹوٹا ہوا بربط کب سے
نغمہ کوئی تاروں میں چمکتا ہے ہنوز
باقی نہیں اِک قطرۂ مے بھی لیکن
پیمانے سے اک رنگ جھلکتا ہے ہنوز

اِنتظار

آ منتظر ہے بزمِ شبستاں ترے لئے
مہکی ہوئی ہیں دیر سے سانسیں گلاب کی
جاگی ہوئی ہے رات ترے انتظار میں
جھپکی نہیں ہے آنکھ تلک ماہتاب کی

چھاگل کی صدا

چاند تاروں کی حسیں چھاؤں میں میرے دل تک
نور و نکہت کی کوئی موج بڑھی آتی ہے
سرسراتی ہوئی پھولوں سے گزرتی ہے صبا
تیری آہٹ تری آواز چلی آتی ہے

سانس میں دیر سے کلیوں کی چٹک ہے پیدا
آپ اِک پھول کی مانند کھِلا جاتا ہوں

ہائے یہ کیف ، کہ ممکن ہی نہیں تیرے بغیر
دِل دھڑکتا ہے تو مدہوش ہوا جاتا ہوں

اپنے بربط کے ذرا تار ملا لے اے دل
اُس کے آنے پہ کوئی گیت تو گانا ہوگا
لحظہ لحظہ کوئی پُر سحر نظر اُٹھّے گی
لمحہ لمحہ کوئی جادو کا فسانا ہوگا

کیسی نغموں میں مری رُوح گھُٹی جاتی ہے
اب تو نزدیک ہی چھاگل کی صدا آتی ہے

حسیں آگ

تیری پیشانیٔ رنگیں میں جھلکتی ہے جو آگ
تیرے رخسار کے پھولوں میں دمکتی ہے جو آگ
تیرے سینے میں جوانی کی دہکتی ہے جو آگ
زندگی کی یہ حسیں آگ مجھے بھی دیدے

تیری آنکھوں میں فروزاں ہیں جوانی کے شرار
لبِ گلرنگ پہ رقصاں ہیں جوانی کے شرار

تیری ہر سانس میں غلطاں ہیں جوانی کے شرار
زندگی کی یہ حسیں آگ مجھے بھی دیدے

ہر اَدا میں یہ جواں آتشِ جذبات کی رَو
یہ مچلتے ہوئے شعلے، یہ تڑپتی ہوئی لَو
آ، مری روح پہ بھی ڈال دے اپنا پرتو
زندگی کی یہ حسیں آگ مجھے بھی دیدے

کتنی محروم نگاہیں ہیں، تجھے کیا معلوم
کتنی ترسی ہوئی بانہیں ہیں تجھے کیا معلوم
کیسی دھندلی مری راہیں ہیں تجھے کیا معلوم
زندگی کی یہ حسیں آگ مجھے بھی دیدے

آ کہ ظلمت میں کوئی نور کا ساماں کرلوں
اپنے تاریک شبستاں کو شبستاں کرلوں
اس اندھیرے میں کوئی شمع فروزاں کرلوں
زندگی کی یہ حسیں آگ مجھے بھی دیدے

بارِ ظلمات سے سینے کی فضا ہے بوجھل
نہ کوئی سازِ تمنّا، نہ کوئی سوزِ عمل
آ، کہ مشعل سے تری میں بھی جلالوں مشعل
زندگی کی یہ حسیں آگ مجھے بھی دیدے

۶۴۴

وِیرانہ

جگمگاتے تھے اُمیدوں کے فلک بوس محل
عظمتِ شوق کے مینار فروزاں تھے کبھی
کتنے گونجے ہوئے جذبات کے کاشانے تھے
کتنے جاگے ہوئے رنگین شبستاں تھے کبھی
کہکشاں تھی بھی تو پامال روِش تھی اس کی
چاند تاروں سے حسیں اسکے گلستاں تھے کبھی

کتنے نوعمر حسیں، کتنے جواں سال حسیں
زلف کھولے ہوئے ہر سمت خراماں تھے کبھی

دِل کے ویرانے پہ اے دوست نظر کرتا جا

صبح ہنستی ہوئی رکھتی تھی گلستاں میں قدم
رات اوڑھے ہوئے تاروں کی ردا آتی تھی

آرزوؤں کے گل آویز دریچوں سے سدا
گنگناتی ہوئی جنّت کی ہوا آتی تھی

جیسے مستی میں کسی زلف کی کھل جائے گرہ
اس طرح جھوم کے گھنگھور گھٹا آتی تھی

دِل کے سوتوں میں کوئی ساز بجا کرتا تھا
دھیمی دھیمی کسی چھاگل کی صدا آتی تھی

دِل کے ویرانے پہ اے دوست نظر کرتا جا

چاندنی رات میں اُجڑی ہوئی اس منزل پر
آج اک درد کا پرتو سا نظر آتا ہے
ڈوبتے تاروں سے شبنم کے خنک اشکوں میں
تھرتھراتا ہوا اک عکس اُتر آتا ہے
ڈُوب جاتی ہے نظر درد کے طوفانوں میں
پھر سے ماضی کا ہر اک نقش اُبھر آتا ہے
آج مُدّت سے ہے خاموش یہ نغموں کا دیار
گُنگناتا ہوا اب کون اِدھر آتا ہے
دِل کے ویرانے پہ اے دوست نظر کرتا جا

۶۴۴



بارگذری ہے

کبھی چمن کی لطافت بھی بارگذری ہے
نظر پہ پھول کی رنگت بھی بارگذری ہے
ہوا ہے دِل میں وہ شعلہ کبھی کبھی روشن
کہ چاندنی کی صباحت بھی بارگذری ہے
مزا ملا ہے کبھی خار کی کہانی میں،
کبھی گلوں کی حکایت بھی بارگذری ہے

کبھی خود اپنی وفا سے ہوا ہے دل بیزار
کبھی خود اُن کی محبّت بھی بارگذری ہے

کبھی کسی کی متانت سے دم سا اُلجھا ہے
کبھی کسی کی شرارت بھی بارگذری ہے

کسی کے شکوۂ بے جا سے خوش ہوا ہوں کبھی
کبھی نظر کی شکایت بھی بارگذری ہے

کبھی رہا ہے ہر اک انجمن سے دِل سیراب
شراب و شعر کی صحبت بھی بارگذری ہے

کبھی رہا ہوں میں اس درجہ بے سروساماں
کسی کی چشم عنایت بھی بارگذری ہے

کبھی رہا ہوں پریشاں متاعِ حکمت سے
تفکرات کی دَولت بھی بارگُذری ہے

ہر ایک تلخ حقیقت سے خوش ہوا ہوں کبھی
کبھی خیال کی جنّت بھی بارگذری ہے

غمِ جہاں کو کبھی ہمّتوں نے اپنایا
کبھی خود اپنی مسرت بھی بارگذری ہے

کبھی نظر جو اُٹھائی ہے آدمیّت نے
جبیں پہ مُہرِ شرافت بھی بارگذری ہے

کبھی لطافتِ احساس نے ستایا ہے
خود اپنے دل کی نزاکت بھی بارگذری ہے

کبھی کبھی مرا ادراک یوں بھی جاگا ہے
کہ مجھ پہ خود مری فطرت بھی بارگذری ہے

کسی کی یاد قیامت سہی مگر اختر
کبھی کبھی یہ قیامت بھی بار گذری ہے

بے خواب آنکھیں

کتنی راتوں سے تجھے نیند نہیں آئی ہے

یہ تری سرد جبیں، یہ تری بے خواب آنکھیں

چھاؤں میں چاند ستاروں کی، یہ پُرآب آنکھیں

کھوئی کھوئی سی یہ مایوس نگاہیں تیری

یہ تری سانس میں ٹوٹی ہوئی آہیں تیری

اُلجھے اُلجھے سے تری طرح یہ گیسو تیرے

یہ تھکا جسم، یہ بے جان سے بازو تیرے

کروٹوں میں یہ گذرتی ہوئی راتیں تیری
زیرِلب دل سے یہ گھٹتی ہوئی باتیں تیری
اُف، یہ ناکام محبت کی کہانی تیری
ہائے آغوش سے محروم جوانی تیری
تو ہے بے تاب تو یہ ارض و سما ہے بے تاب
تو ہے بے خواب تو عالم کی فضا ہے بے خواب
تو جو سو جائے تو تاروں کو بھی نیند آ جائے

۶۴۴

تاثر

افسردہ و مغموم نظر آتی ہے   ہر عیش سے محروم نظر آتی ہے
میں تیرے تاثراتِ غم کے صدقے   تو اور بھی معصوم نظر آتی ہے

عالم کتنے

اُف یہ شبنم سے چھلکتے ہوئے پھولوں کے ایاغ
اس چمن میں ہیں ابھی دیدۂ پُرنم کتنے
کتنے غنچے ہیں جگر چاک گلستاں میں ابھی
ہر طرف زخم ہیں بے منتِ مرہم کتنے
کتنے ہاتھوں کے ابھی سرد ہیں رنگین گلاب
گرد افشاں ہیں ابھی گیسوئے پُرخم کتنے

ذہن آدم میں ہے افکار کی دنیا آباد
قلبِ انساں میں امانت ہیں ابھی غم کتنے
دھندلے دھندلے سے تارے ہیں افق پر لرزاں
زندگانی کے حسیں خواب ہیں مبہم کتنے

آج تو کاکلِ گیتی نہ سنور جائے گی
سلسلے شوق کے ہوں گے ابھی برہم کتنے
جذب ہوں گے ابھی اس خاکِ چمن میں اے دوست
اشک بن بن کے گہر ریزۂ شبنم کتنے
ابھی گونجیں گی سلاسل کی صدائیں کتنی
اور ہوں گے ابھی زنجیر سے ماتم کتنے

زندگی راہِ تصادم میں بھٹکتی ہے ابھی
وقت کے لب پہ ابھی عذر ہیں پیہم کتنے

اک ذرا صبر کہ ان سُرخ گھٹاؤں کے تلے
سرنگوں ہوں گے ابھی خاک پہ پرچم کتنے
لالہ و گل کے تبسم سے شفق پھولے گی
ہر طرف رنگ نظر آئیں گے باہم کتنے
خونِ دل میں ہے نہاں شعلۂ صد رنگِ بہار
اس گلستاں میں ہیں اس راز کے محرم کتنے
انہی ذرّوں سے ابھر آئیں گے اک دن مہ و مہر
اسی عالم سے سنور جائیں گے عالم کتنے

مراحِل

ایک لمحے کو کبھی وقت کی گردش نہ تھمی
حسبِ دستور مہ و سال بدلتے ہی رہے
ایک لَو، ایک لگن، ایک لہک دِل میں لئے
ہم محبت کی کٹھن راہ پہ چلتے ہی رہے

کتنے پُرپیچ مراحِل کو کیا طے ہم نے
وادیاں کتنی ملیں راہ میں دُشوار گذار

سیکڑوں سنگِ گراں راہ میں حائل تھے مگر
ایک لمحے کو بھی ٹوٹی نہ جنوں کی رفتار

آج چھائے ہیں وہ گھنگھور اندھیرے لیکن
جن میں ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں راہوں کے سُراغ
وہ اندھیرے کہ نکلتے ہوئے ڈرتی ہو نگاہ
سامنے ہو تو نظر آئے نہ منزل کا چراغ

مجھ سے بدظن نہ ہو اے دوست! کہ میری نظریں
کیا ہوا پیچ و خمِ راہ میں اُلجھی ہیں اگر
رودِ کہسار کی ہر لمحہ بھٹکتی موجیں
اپنی منزل کی طرف ہی تو رہیں گرمِ سفر

مجھ سے برگشتہ نہ ہو تو کہ مرا دل ہے وہی
کیا ہوا فکر کے چھائے ہیں جو گھرے بادل
چشمِ ظاہر سے جو چھپ جائے تو چھپ جانے دے
ابر میں بجھ نہیں جاتی ہے قمر کی مشعل

مجھ سے بیزار نہ ہو تو کہ مرے ذہن میں آج
کیا ہوا صرف جو بیدار ہے منزل کا خیال
موجۂ صبح کی خاطر ہی تو بُنتا ہے فلک
ظلمتِ شب میں یہ تاروں کا چمکتا ہوا جال

میرے چہرے پہ جو ہے وقت کا شگوں پرتو
ہے اسی عکس سے دُھندلا ترا آئینۂ دِل

آہ کہ یہ لمحۂ حاضر نہیں حاصل اپنا
ہے پرے آج کی ظلمات سے اپنی منزل

اِن دھواں دھار اندھیروں سے گذرنے کے لئے
خونِ دل سے کوئی مشعل تو جلانی ہوگی
عشق کے رفتہ و سرگشتہ جنوں کو اے دوست
زندگانی کی ادا آج سِکھانی ہوگی

۶۴۶

نیرنگ

بیت جاتی ہیں ایک پل میں کبھی زندگی کی ہزار ہا گھڑیاں
ایک لمحے کے انتظار میں بھی صرف ہوتی ہیں سیکڑوں صدیاں

فریبِ بہار

میں تو یوں خوش تھا کہ آزاد ہوا میرا وطن
میں تو یوں خوش تھا کہ چھوٹا وہ غلامی کا گہن
میں تو یوں خوش تھا کہ اب رات نے کھینچا دامن
میں تو یوں خوش تھا کہ اب صبح ہوئی جلوہ فگن

ڈھل گیا نور کے سانچے میں چمن آج مرا
اپنے گلشن کی بہاروں پہ ہے اب راج مرا

میں تو یوں خوش تھا کہ وہ وقت نہیں ہے اب دُور
جب ہر اک کاسہ و ساغر سے اُٹھے موجِ سرُور
چہرۂ خاک پہ اُترے گہر و سیم کا نُور
رنگِ گُل سے ہو شرابور جبینِ مزدور
دیر ہی کیا ہے کلی دل کی کِھلی جاتی ہے
خود گلے خواب کے تعبیر مِلی جاتی ہے

میں تو یوں خوش تھا کہ پھولوں کی گُندھے گی ہیکل
چاندنی خاک پہ ڈالے گی رُو پہلا آنچل
موج کے پاؤں میں موتی کی بجے گی چھاگل
لبِ جُو نرم ہوا آ کے جلائے گی کنول
جال زرتار شعاعوں کا بُنا تھا میں نے
کتنی ہنستی ہوئی کرنوں کو چُنا تھا میں نے

میں تو یوں خوش تھا کہ اب گونج اٹھیں گے وہ ساز
پھیل جائے گی فضاؤں میں عمل کی آواز
ذرّے ذرّے میں سما جائے گا ذوقِ پرواز
زندگی اپنی اداؤں پہ کرے گی خود ناز
ایک لَے سینۂ عالم میں مچل جائے گی
آج سے وقت کی رفتار بدل جائے گی

نہ سہی آج، ہر اک زلف سنور جائے گی کل
آج رنگت ہے جو پھولوں کی نکھر جائے گی کل
نبضِ خاشاک کی گلشن میں اُبھر جائے گی کل
مَوجِ گنگا کی ہمالہ سے گذر جائے گی کل
اپنا ہر رنگ دھنک خاک پہ برسا دے گی
کل زمیں ہند کی خورشید کو شرما دے گی

کیا خبر تھی کہ نظر خود ہے نظاروں کا طلسم
رات کی رات ہے یہ چاند ستاروں کا طلسم
یہ برستے ہوئے موتی ہیں شراروں کا طلسم
یوں خزاں چھپ کے رچائے گی بہاروں کا طلسم

ٹوٹ جائے گا کوئی دم میں یہ افسونِ بہار
نوکِ ہر خار سے ٹپکے گا ابھی خونِ بہار

ہاتھ لگتے ہی تو رنگِ گلِ تر چھوٹ گیا
ہار گندھنے بھی نہ پایا تھا ابھی، ٹوٹ گیا
جام لب تک بھی نہ آیا تھا ابھی، چھوٹ گیا
میرے خوابوں کو نہیں کوئی مجھے لوٹ گیا

میں نے جس نقش میں بھر دی تھی شفق کی تنویر
وقت نے سامنے رکھ دی وہی جلتی تصویر

تند شعلوں میں یہ لپٹی ہوئی ارضِ پنجاب
ذرّے ذرّے سے اُبلتا ہوا بحرِ خونناب
کروٹیں کرب سے لیتے ہوئے راوی و چناب
غم کے طوفان سے ستلج کے کنارے بیتاب

ظلمتِ مرگ سے چھایا ہوا جہلم پہ ہراس
کشتیاں آگ کی سینے پہ لئے رودِ بیاس

پھر سے لُٹتا ہوا یہ شاہجہاں کا گلزار
خون روتی ہوئی یہ لال قلعے کی دیوار
یہ ہمیشہ کو اُجڑتا ہوا اُردو بازار
لاکھ جانوں کو سمیٹے یہ ہُمایوں کا مزار

کون یہ چھوڑ چلا خطّۂ پاکِ دھلی
کس کے قدموں سے لپٹتی ہے یہ خاکِ دھلی

امن سے برہم و برگشتہ یہ تیغوں کا مزاج
رسم و تہذیب کی ہوتی ہوئی قدریں تاراج
ہند کی کہنہ روایات کی لٹتی ہوئی لاج
خاکِ جمنا پہ یہ بے ہوش سا ہوتا ہُوا تاج

اِک سیاہی رخِ خورشید پہ پھرنے کے قریب
چاند خود ٹوٹ کے افلاک سے گرنے کے قریب

گر گئے خاک پہ تھرا کے منارے کتنے
رہ گئے ٹوٹ کے طوفاں میں کنارے کتنے
ہو گئے غرق اندھیرے میں نظارے کتنے
خون میں ڈوب گئے چاند ستارے کتنے

تند ہوتا ہوا ہر لمحہ لہو کا سیلاب
جیسے شمشیر کی اب پیاس نہ ہو گی سیراب

گھر کی دہلیز پہ بہتا یہ جوانوں کا لہو
بند ہوتی ہوئی آنکھوں سے ڈھلکتے آنسو
کتنے آنچل ہیں چھپائے ہوئے زخمی پہلو
کتنی زلفیں ہیں گنوائے ہوئے اپنی خوشبو
کتنی مانگوں کا ہے اُجڑا ہوا گلرنگ سُہاگ
کتنی ماؤں کے کلیجے میں ہے سُلگی ہوئی آگ
ٹوٹتے سنگِ تشدد سے حیا کے فانوس
بے حجابانہ یہ لُٹتے ہوئے ننگِ ناموس
نازنینانِ حرم کے یہ اُترتے ملبوس
خون روتی ہوئی سڑکوں پہ برہنہ یہ جلوس
آبرو غیظ کے عالم میں بکھیرے ہوئے بال
سُرخ آنکھوں میں لپکتے ہوئے شعلوں کا جلال

امن سے برہم و برگشتہ یہ تیغوں کا مزاج
رسم و تہذیب کی ہوتی ہوئی قدریں تاراج
ہند کی کہنہ روایات کی لٹتی ہوئی لاج
خاکِ جمنا پہ یہ بے ہوش سا ہوتا ہُوا تاج

اِک سیاہی رخِ خورشید پہ پھرنے کے قریب
چاند خود ٹوٹ کے افلاک سے گرنے کے قریب

گر گئے خاک پہ تھرّا کے منارے کتنے
رہ گئے ٹوٹ کے طوفاں میں کنارے کتنے
ہو گئے غرق اندھیرے میں نظارے کتنے
خون میں ڈوب گئے چاند ستارے کتنے

تند ہوتا ہوا ہر لحہ لہو کا سیلاب
جیسے شمشیر کی اب پیاس نہ ہو گی سیراب

گھر کی دہلیز پہ بہتا یہ جوانوں کا لہو
بند ہوتی ہوئی آنکھوں سے ڈھلکتے آنسو
کتنے آنچل ہیں چھپائے ہوئے زخمی پہلو
کتنی زلفیں ہیں گنوائے ہوئے اپنی خوشبو
کتنی مانگوں کا ہے اُجڑا ہوا گلرنگ سُہاگ
کتنی ماؤں کے کلیجے میں ہے سُلگی ہوئی آگ
ٹوٹتے سنگِ تشدد سے حیا کے فانوس
بے حجابانہ یہ لُٹتے ہوئے ننگِ ناموس
نازنینانِ حرم کے یہ اُترتے ملبوس
خون روتی ہوئی سڑکوں پہ برہنہ یہ جلوس
آبر و غیظ کے عالم میں بکھیرے ہوئے بال
سُرخ آنکھوں میں لپکتے ہوئے شعلوں کا جلال

چھد گئے نوک سے سنگین کی، ننھے حلقوم
کتنے صحنوں کی لٹی آج وہ مچتی ہوئی دھوم
ہو گئیں پیار سے کتنوں کی جبینیں محروم
تیغِ شمشیر بھی ہنستے رہے کتنے معصوم
کٹ گئے تیغ سے تقدیس کے رشتے کتنے
اُٹھ گئے دہر سے معصوم فرشتے کتنے

یہ اُمنڈتا ہوا سنسان دریچوں میں دھواں
آگ کی نذر یہ ہوتے ہوئے خاموش مکاں
قافلے لُٹ کے چلے کوئی کہاں، کوئی کہاں
رہگذاروں میں ہیں پامال سے قدموں کے نشاں
خانہ برباد چلے گھر سے جو ویرانے کو
"دُور تک یادِ وطن آئی تھی پہونچانے کو"

ایک بے نام سی منزل کے لئے ترکِ مقام
یاد آتے ہوئے، کھوئے ہوئے احباب کے نام
ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے چھلکتے ہوئے جام
اشک آلود لرزتی ہوئی پلکوں کے سلام

"در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں"
"خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں"

کتنے چہروں سے عیاں آج ہے فاقوں کا ملال
کتنی آنکھیں ہیں کسی بھیک کے کاسے کی مثال
کتنے کانپے ہوئے ہونٹوں پہ ہے خاموش سوال
کتنی نظروں کو جھکائے ہے شرافت کا خیال

دردِ افلاس سے پھٹنے کو ہیں سینے کتنے
آج ذرّوں کے ہیں محتاج نگینے کتنے

خونِ امید میں ڈوبی ہوئی غربت کی یہ شام
دِل ہیں یا میکدۂ دوش کے ٹوٹے ہوئے جام
تیرگی غم کی فضاؤں پہ ہے ڈالے ہوئے دام
نہ کوئی مہرِ درخشاں، نہ کوئی ماہِ تمام

راہ انجان ہے منزل کا پتا کچھ بھی نہیں
ایک بڑھتی ہوئی ظلمت کے سوا کچھ بھی نہیں

کیا خبر تھی کہ گرفتارِ فسوں ہونا ہے
صید کو اور ابھی صیدِ زبوں ہونا ہے
اس چمن کو ابھی آلودۂ خوں ہونا ہے
غم کے شعلے کو ابھی اور فزوں ہونا ہے

کیا خبر تھی کہ فقط نام ہے آزادی کا
یہ بھی اک طرز ہے صیّاد کی صیّادی کا

کیا خبر تھی کوئی تدبیر نہ کام آئے گی
گردشِ وقت لئے خون کا جام آئے گی
نور کی موج نہ ہرگز تہِ دام آئے گی
صبح ہونے بھی نہ پائے گی کہ شام آئے گی

کس کو معلوم تھا یہ زہر بھی پینا ہو گا
سرد پھر ہند کے ماتھے کا پسینا ہو گا

کچھ ہو اُمّید کی سینے میں جھلک آج بھی ہے
دل میں بجھتے ہوئے شعلے کی چمک آج بھی ہے
پردۂ ابر میں ہلکی سی دھنک آج بھی ہے
پھول کھلنے کی ہواؤں میں مہک آج بھی ہے

اک ذرا صبر، کہ گلرنگ گھٹا چھائے گی
اس گلستاں میں کوئی سرخ بہار آئے گی

۶۴۷

تابِ سخن

ہند صدیوں کی غلامی سے تو آزاد ہوا

تم بھی آزاد ہوئے اہلِ وطن سے پوچھو

غنچۂ گل کے چٹکنے کی صدا تو آئی

پھول بھی کوئی کھلا شاخِ چمن سے پوچھو

آج ذرّات کے سینے میں اندھیرا تو نہیں

جگمگاتی ہوئی نوخیز کرن سے پوچھو

اب تو پیاسا سرِ ساحل نہیں مرتا کوئی
موجۂ گنگ ولبِ رودِ جمن سے پوچھو

اب تو محفل میں نہیں حکم زباں بندی کا
رنگِ خاموشئ اربابِ سخن سے پوچھو

آج تو زہر بھرا جام نہ پینا ہوگا
شدّتِ تشنگئ کام و دہن سے پوچھو

اب تو جینے کی تمنّا میں نہیں مرنا ہے؟
در بدر لاشۂ بے گور وکفن سے پوچھو

کل کے وعدے کہیں شرمندۂ ایفا تو نہیں
سادگیہائے بتِ وعدہ شکن سے پوچھو

اب تو پیدا نہیں منصورِ بغاوت کوئی
منتظر مرحلۂ دار و رسن سے پوچھو

اِس زمیں پر بھی کسی روز شفق پھُولے گی؟
دوستو! خاکِ شہیدانِ وطن سے پوچھو

۱۹۴۸ء

شرارِ جستہ

سینے میں ہے اک ناوکِ غم پیوستہ
تاریک ہے منزل کا ابھی تک رستہ
بہتا ہے جو انساں کا لہو، بہنے دے
ہر خون کی بوند ہے شرارِ جستہ

غزل

سازِ بے مُطرب و مِضراب نظر آتے ہیں
پھر بھی نغمے ہیں کہ بیتاب نظر آتے ہیں

وہی محفل ہے، وہی رونقِ محفل، لیکن
کتنے بدلے ہوئے آداب نظر آتے ہیں

کیا تماشا ہے کہ غنچے تو ہیں پژمردہ و زرد
خار آسودہ و شاداب نظر آتے ہیں

قافلہ آج یہ کس موڑ پہ آ پہونچا ہے
اب قدم اور بھی بیتاب نظر آتے ہیں
کل کریں گے یہی طغیانِ گُل تر پیدا
آج جو آگ کے سیلاب نظر آتے ہیں
کل یہی خواب حقیقت میں بدل جائیں گے
آج جو خواب فقط خواب نظر آتے ہیں
کون سا مہرِ دُرخشاں ہے اُبھرنے والا!
آئینے دِل کے شفق تاب نظر آتے ہیں
مسکراتے ہوئے فردا کے اُفق پر اخترؔ
ایک کیا سیکڑوں مہتاب نظر آتے ہیں

دیر ہوئی

خامشی بزم کا دستور ہوئی جاتی ہے
پھر سے لب کھول کہ ہنگامہ اُٹھے دیر ہوئی
زندگی اپنے تضادوں کو چھپاتی کب تک
ایک پردہ سا نگاہوں سے ہٹے دیر ہوئی
اور دو چار مراحل سے گذرنا ہے تو کیا
اپنی منزل کی طرف ہم کو بڑھے دیر ہوئی

اے عروسِ چمنِ دہر نگاہیں تو اٹھا
آسماں کو ترے قدموں پہ جھکے دیر ہوئی

مطربِ بزمِ کہن! ہاتھ سے بربط رکھ دے
اک نیا ساز فضاؤں میں چھڑے دیر ہوئی

ساقیا اب تو نئے دَور کا وقت آ پہونچا
جامِ گلرنگ اُٹھا، رات ڈھلے دیر ہوئی

۴۸ء

اُفق سے اُبھر اب تو خورشیدِ تازہ
مری ظلمتوں کو بنا لے بہانا

پیغام

(کانفرنس ترقی پسند مصنفین لاہور کے نام)

ایک مرا کیا اے فن کار وقت کا بھی پیغام یہی ہے
جیون کو ہم جیون دے دیں آج ہمارا کام یہی ہے
آج کھُلے بندوں یہ دنیا دو طبقوں کے بیچ بٹی ہے
چاندی سونے کے اندھیارے میں جیون کی جوت گھٹی ہے

پونجی واد کی ساری چالیں نِردھن جنتا جان چکی ہے
آج یہ دنیا اپنے اصلی دشمن کو پہچان چکی ہے
چونک اٹھی ہے جنتا ساری جن جن گن گن جاگ اٹھا ہے
آج بغاوت کا ہر دِل سے طوفانی اک راگ اٹھا ہے
ایک طرف ہے امرت ساگر ایک طرف ہیں دھارے بِس کے
پوچھ رہی ہے دنیا ہم سے بولو! اب تم ساتھ ہو کس کے
کیا جنتا کا، کیا جیون کا ایسے میں اپمان کریں ہم
آؤ کھُلے بندوں اب جانبداری کا اعلان کریں ہم
ہم ساتھی ہیں مظلوموں کے، ہم ساتھی ہیں مجبوروں کے
ہم ساتھی ہیں دہقانوں کے ہم ساتھی ہیں مزدوروں کے
دیکھو دیکھو کتنے بھوکے خاک زمیں کی پھانک رہے ہیں
دیکھو دیکھو جیل سے ہم کو کتنے ساتھی جھانک رہے ہیں

یدُھ کی تیّاری میں لگے ہیں پھر سے پونجی وادی دشمن
آؤ بنا دیں اب کی ہم دھن والوں ہی کو یدُھ کا ایندھن
آج دُکھی ہر دوں سے دیکھو مانوتا کی موج اُٹھی ہے
امن کا پرچم ہاتھ میں لیکر جنتا کی اک فوج اٹھی ہے
آج سے ہر اک گیت ہمارا وقت کی اک للکار بنے گا
آج سے اپنے ہاتھوں میں خود اپنا قلم تلوار بنے گا
اپنے گیتوں اور نغموں سے رنگ نیا برسا دیں آؤ
لال پھریرا آج ادب کی دنیا پر لہرا دیں آؤ

۶۴۹

ہزار کاکلِ گیتی میں پیچ و خم ہیں تو کیا
یہ زلف آج نہیں کل سنور تو سکتی ہے

غزلیں

- ۱ -

کبھی آہوں کبھی نغموں کا طوفاں　　یونہی گونجے گا کب تک سازِ دوراں

ہر اک ذرّے کے سینے میں ہیں پنہاں　　نہیں معلوم کتنے ماہِ تاباں

نگاہیں جھک گئیں اہلِ جنوں کی　　یہ کس نے چاک کر ڈالا گریباں

سمندر کو یقیں آئے گا کس دن　　کہ ساحل سے بھی اُٹھ سکتے ہیں طوفاں

نوائے ساز و بوئے گُل پہ کیا ہے　　بہت کچھ ہے ابھی آنکھوں سے پنہاں

یہ عالم ہے ابھی تمہید عالم　　یہ انساں ہے ابھی امیدِ انساں
یہ گل بھی زخم، یہ شبنم بھی آنسو　　مجھے دھوکا نہ دے فصلِ بہاراں

- ۲ -

ہو گیا شاید مرا ذوقِ تجسس کامیاب
آج خود مجھ پر پڑی میری نگاہِ انتخاب
جانے کس لمحہ دمک اُٹھے فضائے کائنات
کوئی چٹکی میں لئے ہے دیر سے طرفِ نقاب
منتظر ہیں آج بھی تیری نگاہِ شوق کے
جانے کتنے ماہ و انجم، جانے کتنے آفتاب
تو نے دیکھا بھی نہیں اور دِل دھڑکنے بھی لگا
جیسے بن چھیڑے ہوئے بجنے لگے کوئی رباب

ایک ہلکا سا تبسّم ، ایک گہرا سا خُمار
ہائے وہ آنکھیں کہ تارے دیکھتے ہوں کوئی خواب

اپنے دِل کا داغِ محرومی چھپا سکتا نہیں
دوسرے کی روشنی سے جگمگاتا ماہتاب

سازِ مطرب کچھ نہیں ہے جامِ ساقی کچھ نہیں
زندگی ہے آپ نغمہ ، زندگی ہے خود شراب

- ۳ -

گل کھلایا ہے کیا بہاروں نے　　خون اچھالا ہے لالہ زاروں نے
کتنی آہوں سے کتنے نغموں سے　　چوٹ کھائی ہے دِل کے تاروں نے
قدرِ مہر و وفا بدل ڈالی　　آج مہر و وفا کے ماروں نے
شورشِ بحر کام آ ہی گئی　　کوئی کروٹ تو لی کناروں نے

آج ذرّے دکھا رہے ہیں چراغ کل دکھائی تھی راہ تاروں نے

اپنے صدیوں کے پیچ کھول دئے آج پُرپیچ رہگذاروں نے

کہہ دیئے رازہائے مستقبل حال کے بولتے اشاروں نے

ایک عہدِ طرب کی دی ہے نوید غمِ گیتی کے رازداروں نے

آج کھِلتی شفق کے سائے ہیں کروٹیں لی ہیں سبزہ زاروں نے

چشمِ عالم میں سرخیاں بھر دیں زندگی کے جواں اشاروں نے

- ۴ -

یہ نقشِ تصوّر نظاروں کے بعد

کھلے پھول جیسے بہاروں کے بعد

نہ ساغر نہ شیشہ نہ مینا نہ مے

لُٹے میکدے بادہ خواروں کے بعد

ستارے، شفق، چاندنی، سرو، پھول
نظر تجھ پہ ٹھہری ہزاروں کے بعد

مجھے کس سہارے کی حاجت رہی
ترے دِل کے نازک سہاروں کے بعد

بہت کچھ یہ ایوانِ ہستی سجا
مری فکر کے شاہکاروں کے بعد

گیا دور دَورِ بہار و خزاں
بہاریں ہیں اب تو بہاروں کے بعد

- ۵ -

یہ صدائیں یہ احتجاج فضول
زندگی کے بدل گئے ہیں اصول

فرصتِ عشق بھی نہیں حاصِل
آج انسان ہے بہت مشغول

ہجر کی داستان رہنے دے — کون دے اب ذراسی بات کو طول

موجِ طوفاں اٹھی جو لہرا کر — میری کشتی کو مل گیا مستول

جگمگاتا ہے چہرہ گیتی — ڈال سکتا ہے کون چاند پہ دھول

مرحبا انقلاب آ پہونچا — وہ جواں سال عصرِ نو کا رسول

- ۶ -

ہر سمت اُفق پہ ہیں دُھندلکے

پیمانۂ صبح جلد چھلکے

آغازِ نوائے شوق جیسے

چھیڑے کوئی ساز ہلکے ہلکے

کچھ بھید کھلے مری نظر سے

کچھ راز تری ہنسی سے جھلکے

موتی تو نہ بن سکیں گے آنسو
دامن پہ ترے اگر نہ ڈھلکے
وہ رنگ رہا نہ روشنی ہیں
اس سے تو حسین تھے دُھندلکے
یہ منّتِ مہر و ماہ کب تک
گیتی سے کہو کہ آپ جھلکے
اس شیشۂ آرزو سے اخترؔ
کیا جانئے کتنے رنگ چھلکے

— ۷ —

روئے گیتی ہے یا گلِ تازہ ۔ مل دیا کس نے لالہ گوں غازہ
ذرّہ ہائے چمن کو یکجا کر ۔ پھینک اوراقِ گل کا شیرازہ

صبحِ نو کی برات آتی ہے کون روکے گا آج دروازہ
زندگی آج سج کے نکلی ہے کس کی ہمت کسے جو آوازہ
کھینچتا ہے نظامِ زر آخر
خود تضادوں کا اپنے خمیازہ

قوتِ تعمیر تھی ایسی خس و خاشاک میں
آندھیاں چلتی رہیں اور آشیاں بنتا گیا

آخری وار

آخری وار آج باقی ہے
گرم ہے اب بھی آتش و آہن
وہی زنداں وہی ہے دار و رسن
ظلمتیں آج بھی ہیں سایہ فگن
تخت باقی ہے تاج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے

مفلسی، بھوک، قحط، ناداری
رشوتیں، لوٹ، چور بازاری
قتل، غارت، فساد خونخواری
بربریت، مزاج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے

جنگ کے دیوتا ہوئے ہیں بہم
کارخانوں میں ڈھل رہے ہیں بم
ہیروشیما کی سرزمیں کی قسم
وحشیانہ مزاج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے

گونج اٹھی عوام کی للکار
اب چمکنے نہ پائے گی تلوار
ساتھیو! بڑھ کے اک کدال کا وار
سخت جاں سامراج باقی ہے
آخری وار آج باقی ہے

۶۴۹

عزم

گردوں سے نظر ملا رہا ہے خورشید پہ مسکرا رہا ہے
کس عزم کے ساتھ آج اختر ہر ذرہ قدم اٹھا رہا ہے

شکستِ افسوں

آج ظلمت کا وہ شب تاب فسوں ٹوٹ گیا

چشمِ انساں کو لبھاتا رہا راتوں کا جمال
نرم کرنوں میں اُلجھتی رہی پروازِ خیال
جگمگاتے رہے افلاک پہ انجم کے نگیں
چاند کو رشک سے تکتی رہی آدم کی زمیں
موج در موج رہی کاہکشاں کی تنویر
خواب آلود شعاعوں میں رہا ذہن اسیر

جھلملاتے رہے نظروں میں طلسمی انوار
فکر و احساس پہ چھاتا رہا زرین غبار
آج ظلمت کا وہ شب تاب فسوں ٹوٹ گیا

آج تخئیل بناتی نہیں گردوں پہ محل
سرِ حدِ فکر پہ جلتے نہیں تاروں کے کنول
اب نہیں حسنِ گماں، تابِ یقیں سے بہتر
سطحِ افلاک نہیں روئے زمیں سے بہتر
خواب آلود نہیں آج نگاہِ آدم
کروٹیں قلب میں لیتا ہے سحر کا عالم
آج سوئی ہوئی صدیوں کی زمیں جاگ اٹھی
افقِ صبح کی گلرنگ جبیں جاگ اٹھی

آج ظلمت کا وہ شب تاب فسوں ٹوٹ گیا

یانگ سی کی موجو

بہو، جواں یانگ سی کی موجو!
غرور کے ساتھ رقص کرتی
بہو، بہو جس طرح نئے چین کی نئی زندگی کا دھارا
بہو بہو ارتقا کی رفتار کے جواں سال گیت گاتی
بہو بہو نیلگوں فلک کو غرور سے آئینہ دکھاتی

تمھارے کہسار، وادیاں، شہر آج آزاد ہیں جواں ہیں
یہ گُنگُناتے طویل ساحل!
تمھارے سینے میں سُرخ پرچم کی لہلہاہٹ ہے
پانچ تاروں کا زرد سونا
عظیم سن یات سین کے جاں فروز خوابوں کا عکسِ رقصاں ہے
ماؤ کا بیکراں تبسّم

۱۹۴۹

ہمارے دیدہ و دل فرشِ راہ ہیں کب سے
اِدھر بھی جانِ چمن، روحِ انقلاب آجا

پیمانہ سُرخ

آج مینا سُرخ ہے مے سُرخ ہے پیمانہ سُرخ
ہو گیا ہے ساقیا میخانے کا میخانہ سُرخ
سینۂ خاکِ چمن سے پھوٹ نکلی وہ شفق
پھول کیسے ہو گیا خود سبزۂ بیگانہ سُرخ
پھر لہو کی آنچ سے لوہا پگھل جانے کو ہے
ہو چکی ہے دیکھ زنجیرِ دلِ دیوانہ سُرخ

سرخیٔ خونِ شہیداں ہے کہ عنوان بہار
چشم گیتی میں جھلکتا ہے کوئی افسانہ سُرخ

باغ میں اب مستقل ہوگا بہاروں کا قیام
خاکِ گل تعمیر کردے جلد اک کاشانہ سُرخ

اب کہیں جا کر ملا ہے سُرخ منزل کا نشاں
یوں تو اختر تھا سدا سے مسلکِ رندانہ سُرخ

۶۴۹

آگیا وقت سُرخ شمعوں سے
میکدے کا سجاؤ دروازہ

سجّاد ظہیر کے نام

آج تو قید ہے اور میں سوچتا ہوں کہ انسان ہونا بھی کوئی خطا ہے
مجھکو معلوم ہے ساری دنیا کو معلوم ہے میرے ساتھی ترا جرم کیا ہے

رات صدیوں سے چھائی ہوئی رات ہیں تونے کیوں کی نمودِ سحر کی تمنّا
تیرے دل ہیں مچلتی ہے کیوں اک نئی زندگی ایک تازہ بشر کی تمنّا

ہاں ترا جرم ہے یہ

تیرے دل میں ہے کیوں جاگزیں درد صدیوں سے بھوکے کسانوں کی بپتا ہو نگا
تیرے سینے میں کیوں لہلہاتا ہے رہ رہ کے ارمان کھیتوں کی شادابیو نکا

ہاں ترا جُرم ہے یہ

تجھکو کیوں فکر ہے آج دنیا میں بے روزگاری سے بڑھتی ہوئی مشکلونکی
تیرے دل سے ہم آہنگ ہے کس لئے آج دھڑکن کروروں عوامی دلوں کی

ہاں ترا جُرم ہے یہ

تیسری جنگ کی ایٹمی سازشوں سے تجھے اتنی نفرت اگر ہے تو کیوں ہے
عام انسانیت سے تجھے اسقدر والہانہ محبّت اگر ہے تو کیوں ہے

ہاں ترا جرم ہے یہ

آدمیت کی پُرامن بنیاد پر تجھکو دنیا کی تعمیر کی فکر کیوں ہے
خواب جو زندگی پر شفق بن کے لہرا رہے ہیں ان کی تعبیر کی فکر کیوں ہے

ہاں ترا جرم ہے یہ

تجھ کو محنت کشوں کی عرق بار پیشانیاں کس لئے جگمگانے کی دُھن ہے
ان ٹپکتے پسینے کے بے رنگ قطروں سے کیوں چاند تارے بنانے کی دُھن ہے

ہاں ترا جرم ہے یہ

کیوں ترا ذہن آزاد ہے کیوں ترا دل جواں کیوں تری فکر اتنی حسیں ہے
کس لئے ارتقا کا تجھے علم، تاریخ کی مادّی قوتوں پر یقیں ہے

ہاں ترا جرم ہے یہ

الغرض تو نے اس دشتِ ظلمات میں روشنی کے لئے جستجو کی تو کیوں کی
امن، انصاف، انسانیت کی اگر بھول کر بھی کوئی آرزو کی تو کیوں کی

ہاں ترا جرم ہے یہ

اور اس جرم پر "قاتلانِ کہن" کو ترے واسطے فکرِ دار و رسن ہے
قاتلانِ کہن جن کے ہر وار سے زخم آلود انسانیت کا چمن ہے

اصل مجرم تو وہ ہیں

اب بھی ان سامراجی لیٹروں کے ہاتھوں سے جو ہاتھ اپنا ملائے ہوئے ہیں
عالمی جنگ کے واسطے آستینوں میں سازش کے خنجر چھپائے ہوئے ہیں

اصل مجرم تو وہ ہیں

چند ڈالر کے بدلے میں جو سندھ و پنجاب کی آبرو بیچ کر آ گئے ہیں
وہ جو چپ چاپ اپنے ہزاروں شہیدوں کا تازہ لہو بیچ کر آ گئے ہیں

اصل مجرم تو وہ ہیں

وہ جو آزاد فکر و عمل کے تقاضوں کو کچلے چلے جا رہے ہیں
وہ جو پنڈی کی سازش کا الزام دے کر نئے جال پر جال پھیلا رہے ہیں

اصل مجرم تو وہ ہیں

جیل میں آج خفیہ عدالت بٹھا کر جو انصاف کا نام کرنے چلے ہیں
زندگی کے اُبلتے خزانوں کو جو موت کے ہاتھ نیلام کرنے چلے ہیں

اصل مجرم تو وہ ہیں

وہ جنھوں نے ادیبوں کی تحریر و تقریر کی آج آزادیاں لوٹ لی ہیں
زندگی سے مہکتی چہکتی ہوئی شعر و فن کی حسین و ادیاں لوٹ لی ہیں

اصل مجرم تو وہ ہیں

وہ جو ہر ہر قدم جاگتی شاہراہوں میں تاریک مینار بنکر کھڑے ہیں
وہ جو اسلام کے نام پر ہر ترقی کے رستے میں دیوار بنکر کھڑے ہیں

اصل مجرم تو وہ ہیں

وہ جو آدم شکاری کی خاطر فقط، آج شاہیں کا قلب و جگر چاہتے ہیں
وہ جو اس دورِ جمہور میں خاص اپنے لئے آمری کرّ و فر چاہتے ہیں

اصل مجرم تو وہ ہیں

آنے والا ہے جو دَور کیا جانے کیا ان کو انسانیت دشمنی کی سزا دے
کوئی بڑھ کر ذرا ان کو للکار دے کوئی ان ظالموں قاتلوں کو جتا دے

اصل مجرم تو وہ ہیں

میرے ساتھی! اُسی عزم سے مسکرا جس طرح تو سدا مسکراتا رہا ہے
ظلمتِ قید کا غم نہ کر تو ہمیشہ اندھیرے میں شمعیں جلاتا رہا ہے

مسکرا فخر سے مسکرا آج دنیا کی جنتا ہے تیری طرفدار ساتھی
تجھکو ڈھانپے ہوئے ہے کروروں عوامی دلوں کا عقیدت بھرا پیار ساتھی

عہد کرتے ہیں ہم تجھکو اس قید خانے کی بے رحم دیوار سے چھین لینگے
یہ تجھے تختہ دار پر لائے تو ہم تجھے تختۂ دار سے چھین لیں گے

۶۵۱

روس کو سلام

میں آج اپنے ہمالیہ کی بلند چوٹی سے دیکھتا ہوں

کہ دور مغرب کی وادیوں سے جوان سورج اُبھر رہا ہے

ہمارا مغرب!

وہ روس! وہ ارضِ استالن

کہ جس کے دامن کو آج بارہ سمندروں کی عظیم موجیں

بڑی عقیدت سے چومتی ہیں

بلند یورال کی ہواؤں میں سُرخ پرچم کھلا ہوا ہے

وہ سرخ پرچم، وہ سُرخ تارا
کہ جیسے سورج کا دل کسی نے شفق کے پہلو میں جڑ دیا ہو

سحر کی گلرنگ روشنی میں
کراملن کے منار جاگے ہوئے کھڑے ہیں
اور ان مناروں سے سیکڑوں احمریں ستارے
شفیق آنکھوں سے سوویت کی جواں بہاروں کو دیکھتے ہیں

وہ استالن گراد کی لالہ گوں جبیں پر
ہزارہا نوجواں شہیدوں کے خون کی چھوٹ پڑ رہی ہے
جو فتح برلن کی جاوداں یادگار بن کر
غرور سے مسکرا رہا ہے

ہزار ہا شہر جاگتے ہیں

ہزار ہا بستیاں بسی ہیں

ہزار ہا پٹریوں نے شہروں کے ہاتھ بڑھ کر ملا دئے ہیں

ہزار باہیں لچک لچک کر ہزار باہوں میں پڑ گئی ہیں

وہ کارخانوں کی سمت سینے کو اپنے تانے

طویل ریلیں لپک رہی ہیں

کہ جن میں یورال کے پہاڑوں کا خام لوہا

"جوان باکو" کا تیل، کزباس کا گراں کوئلہ بھرا ہے

کثیف شعلہ

رقیق چاندی

سیاہ ہیرا

ہزار مشغول کارخانوں کے دل خوشی سے دھڑک اٹھے ہیں

ہزار ہا صنعتیں فراغت کے بیکراں راگ گا رہی ہیں

ہزار ہا چمنیاں ملوں کی فلک سے آنکھیں ملا رہی ہیں

ہزار ہا بھٹیوں کے سینے میں گرم لوہا پگھل رہا ہے

ہزار ہا بجلیوں کی طاقت سے تند فولاد گل رہا ہے

ہزار ہا آہنی خرادوں پہ تیز پرزے سنور رہے ہیں

ہزار ہا انجنوں کے سینے اُچھل رہے ہیں اُبھر رہے ہیں

ہزار ہا گھرنیاں تڑپ کر رواں دواں رقص کر رہی ہیں

ہزار ہا کاتریں مشینوں پہ بیل بوٹے کتر رہی ہیں

ہزار ہا آہنی ہتھوڑے شدید ضربیں لگا رہے ہیں

ہزار تارے اُچٹ کے لوہے سے ہر طرف جھلملا رہے ہیں

ملنگ کی سیکڑوں مشینیں ہزار نغمے لٹا رہی ہیں

ہزار ہا چھریاں دُھروں پر غرور سے مسکرا رہی ہیں

ہزار سانچے چڑھے ہوئے ہیں ہزار آلات ڈھل رہے ہیں
ہزار رولر مچل رہے ہیں ہزار پسٹن اچھل رہے ہیں
ہزار ہا برق کے ٹریکٹر زمیں پہ دھومیں مچا رہے ہیں
ہزار ہا جرّ ثقل بڑھ کر گراں چٹانیں اٹھا رہے ہیں
ہزار برقی کلیں روئی کے سفید انبار دھن رہی ہیں
ہزار ہا چرخیاں ملوں میں حسین پوشاک بن رہی ہیں
ہزار "کمبائنوں" میں دلدل کا کوئلہ گیس بن رہا ہے
ہزار ہا ٹنکیوں میں چشموں کا تیل بجلی سے چھن رہا ہے
ہزار کانیں زمین کی لازوال دولت اگل رہی ہیں
ہزار دھاتیں ضرورتوں کی ہزار اشیا میں ڈھل رہی ہیں
ہزار محنت کشوں کے ماتھے پہ آج لالی دمک اٹھی ہے
ہزار ہا بازوؤں کی قوت جمال بن کر چمک اٹھی ہے

ہزار ہا ہاتھ زندگی کا عظیم پہیا چلا رہے ہیں
ترانۂ امن گا رہے ہیں
ترانۂ امن گا رہے ہیں

سحر کی گلرنگ روشنی میں
کریملن کے منار جاگے ہوئے کھڑے ہیں
اور ان مناروں سے سیکڑوں احمریں ستارے
شفیق آنکھوں سے سوویت کی جواں بہاروں کو دیکھتے ہیں

وہ یوکرن کے وسیع دامن میں کھیتیاں لہلہا رہی ہیں
وہ ڈان کے ساحلوں پہ گیہوں کے نرم خوشے لچک رہے ہیں
الگ الگ کھیت ہیں نہ کھیتوں کے بیچ نیچی حقیر مینڈھیں

کہ اُن کو ہریالیوں کے اُمڈے ہوئے سمندر نے دھو دیا ہے
زمین ٹکڑوں میں جو بٹی تھی
وہ مل کے پھر ایک ہو گئی ہے
فضا میں لہکے ہوئے ہیں نغمے جوان کھیتوں کی تازگی کے
نئے ترانے سنا رہے ہیں کسان خوش حال زندگی کے

ہمارے کھیتوں پہ ہے جوانی
اُگی ہے دھرتی سے زندگانی
یہ استالن کی مہربانی

وہ جس نے محنت کا گر سکھایا
ہمارے ہاتھوں کو آ ملایا

بدل گئی زندگی کی کایا
ہے سرخ رُو اپنی جانفشانی
یہ استالن کی مہربانی

یہ کھیت اپنے اناج اپنا
ہر ایک کھلیان آج اپنا
سنہری فصلوں پہ راج اپنا
یہ گُل زمیں اپنی راجدھانی
یہ استالن کی مہربانی

کولک ہیں باقی، نہ زار باقی
خزاں ہی باقی نہ خار باقی

بہار اندر بہار باقی
بہار اور وہ بھی جاودانی
یہ اسٹالن کی مہربانی"

وہ ڈان نے والگا کی گردن میں ڈال رکھی ہیں اپنی باہیں
بلند مستول ہیں جمائے سمندروں پر جو ان نگاہیں
وہ سامنے سیکڑوں دخانی جہاز اٹھلا کے چل رہے ہیں
جہاز رانوں کے، مانجھیوں کے بلند نغمے اُبل رہے ہیں

بلند ہے بادباں ہمارا
بلند گلگوں نشاں ہمارا
ہمارے پہچان کر اشارے

مڑے ہیں سیلِ رواں کے دھارے
بلند ہیں حوصلے ہمارے
بلند عزمِ جواں ہمارا
بلند ہے بادباں ہمارا

جہاز ساز و جہاز راں ہم
سمندروں کے مزاج داں ہم
وطن کے ساحل کے پاسباں ہم
وطن ہے عظمت نشاں ہمارا
بلند ہے بادباں ہمارا

وہ الیسٹالن وہ شمعِ احمر

ہر ایک طوفان کا شناور
وہ ناخدا، وہ عظیم رہبر
وہی ہے روحِ رواں ہمارا
بلند ہے بادباں ہمارا

وہ نیپر جس کے تند دھارے
گراں چٹانوں کے تنگ آغوش سے تڑپ کر نکل پڑے ہیں
وہ جس کے ساحل پہ آہنی بند پیر گاڑے ہوئے کھڑے ہیں
بڑی روانی سے بہ رہا ہے
یہ تند دھارے!
یہ قوتوں کے گراں ذخیرے
یہ بجلیوں کے رواں خزانے

گراں مشینوں کے راگ

شہروں کے رنگ

راتوں کی روشنی میں

بڑی لطافت سے ڈھل گئے ہیں

وہ سوویت وسط ایشیا کے پہاڑ جاگے ہوئے کھڑے ہیں

وہ سامنے جوئے شیر لہرا کے سبز میداں میں بہہ رہی ہے

وہ جس کے پانی سے بجلیوں کی حسین لہریں اُبل اُبل کر

جوان دل تاشقند کی گل فشاں جبیں پر چمک رہی ہیں

یہ شیر دریا

کہ جس میں شیریں کا نرم میٹھا حسین تبسم گھُلا ہوا ہے

کہ جس میں فرہاد کی جبیں کا جواں پسینہ ٹپک چکا ہے

کہ جس کے ساحل پہ آج بھی نوجوان اُزبک
محبّتوں کے حسین لمحے گذارتے ہیں
جوان فرہاد آج بھی ان پہاڑیوں پر
جوان تیشے چلا رہے ہیں
جوان نہریں بہا رہے ہیں

جوان نہریں کہ جن کے شفاف آئینوں میں
ہزار محنت کشوں کے بازو کا عکس کروٹ بدل رہا ہے
جو نرم شریان بن کے شاداب و سبز کھیتوں میں دوڑتی ہیں
جو ریگ زاروں کے گرم تپتے دلوں کی ٹھنڈک بنی ہوئی ہیں
ہزار لڑیوں کا ہار پہنے
زمیں خوشی سے لہک رہی ہے

وہ دور فرغانہ کی حسین و جمیل وادی جھلک رہی ہے
وہ سامنے زرفشاں کی موجوں میں سُرخ سونا پگھل رہا ہے
کہ جس کے چاندی سے ساحلوں پہ
کپاس کی چاندنی سِمٹ کر
حسین مناروں میں ڈھل گئی ہے

حسیں سمرقند کی جبینِ پُرجمال سا مسکرا اٹھا ہے
جواں بخارا کے ابرُوؤں سے
جلال سا پھر برس رہا ہے
قدیم مینار مسجدوں کے
فلک پہ بوڑھی نظر جمائے ہوئے کھڑے ہیں
اور اُن کے پہلو میں نوجواں چمنیاں ملوں کی

دھوئیں کے بادل اُڑا رہی ہے
نئے سرے سے نئے فلک کی فضا میں تعمیر ہو رہی ہے

یہ سوویت کا فراخ سینہ
کہ جس میں لاکھوں جواں بہاریں مچل رہی ہیں
جواں مقاصد
جواں عزائم
جواں محبت
جواں حرارت
جواں عمل سے بھرا ہوا ہے
اور اس کشادہ فراخ سینے میں ماسکو آج قلب بن کر
دھڑک رہا ہے

وہ ماسکو جس میں امن ہے علم ہے بہاریں ہیں روشنی ہے
جہاں صداقت ہے زندگی ہے
خود استالن ہے ساری انسانیت کا تنہا عظیم رہبر

سحر کی گلرنگ روشنی میں
کرملن کے منار جاگے ہوئے کھڑے ہیں
اور ان مناروں سے سیکڑوں احمریں ستارے
شفیق آنکھوں سے سوویت کی جواں بہاروں کو دیکھتے ہیں

وہ سامنے "سرخ چوک" میں اک جلوس گاتا نکل رہا ہے
کہ زندگانی کا گونجتا بیکراں سمندر اُبل رہا ہے

ہزار جھنڈوں پہ امن عالم کے آج نعرے لکھے ہوئے ہیں
ہر ایک نعرہ فضا کے سینے میں گونج بن بن کے ڈھل رہا ہے
ہزارہا نوجواں قدم سے قدم ملائے گذر رہے ہیں
فلک کا سینہ دھڑک رہا ہے، زمین کا دل اچھل رہا ہے

گذر رہے ہیں پرے جمائے
وہ روس کے نوجوان بیٹے
وہ یوکرینی کسان دستے
وہ چار حبینی جوان جرگے
قطار اندر قطار ازبک
جمیل قازق حسین تاجک
وہ مولدے وی، وہ بیلوروسی

وہ آرمینی وہ بائیجانی
وہ فنس، تاتار، ترکمانی
جوان کرغیز صف جمائے
دلیر غاکاس سر اُٹھائے
قدم بڑھاتے
گروہ اندر گروہ گاتے

ہم امن کا راگ گا رہے ہیں
تمام دنیا کو پرچمِ امن کے تلے ہم بُلا رہے ہیں
سلامتی روس کی زمیں پر
سلامتی خطّہ ہائے چیں پر

سلامتی ہند و کوریا کی
سلامتی سارے ایشیا کی
ہمارے نغمات جنگ بازوں کی آج نیندیں اُڑا رہے ہیں
ہم امن کا راگ گا رہے ہیں

سلامتی ہے پیام اپنا
رہا ہے تعمیر کام اپنا
ہماری لے رازداں بقا کی
رواں ہے اک موج ارتقا کی
ہمارے بڑھتے ہوئے قدم خود زمیں کو اونچا اٹھا رہے ہیں
ہم امن کا راگ گا رہے ہیں

اٹھے ہیں سیلِ بہار بن کر
چمن کے ہم رازدار بن کر
جہانِ نو کے نشان ہیں ہم
زمیں پہ اک آسمان ہیں ہم
تمام دنیا، تمام عالم، تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں
ہم امن کا راگ گا رہے ہیں

بلند آہنگ زندگی کا جلوس کس شان سے رواں ہے
جو دوش پر لالہ رنگ پرچم تو ہاتھ میں نیلگوں نشاں ہے

فضا میں منڈلا کے گنگناتے جہاز غوطے لگا رہے ہیں
زمیں پہ شاداب سُرخ پھولوں کے ہار جھک کر گرا رہے ہیں

بلند و بالا عمارتوں سے برس رہے ہیں گلاب لاکھوں
گلال سے ہاتھ سُرخ رو مال کھڑکیوں سے ہلا رہے ہیں
ہزار بچے کہ جن کو باپوں نے آج شانے پہ چڑھالیا ہے
چہک کے معصوم پھول سی مٹھیاں ہوا میں اٹھا رہے ہیں
بلند لینن پہاڑیوں پر بلند اُڑتے ہوئے پھریرے
بلند اشاروں سے اور بھی کچھ بلندیوں پر بُلا رہے ہیں

بلند ماتھوں پہ سرخ منزل کا سُرخ پرتو چمک اُٹھا ہے
زمیں کا رخسار اور بھی کچھ دمک اٹھا ہے دہک اُٹھا ہے
اُمڈ رہے ہیں قدم فضاؤں میں آج ابرِ بہار بن کر
ہوا میں شاداب زندگی کا وسیع دامن لہک اٹھا ہے

ہزار زاویا نظر اُٹھائے، قدم جمائے گذر رہی ہیں
کلی کلی کی طرح زمیں کا ہر ایک ذرّہ چٹک اُٹھا ہے
ضعیف مائیں جوان بیٹوں کی شان و شوکت کو دیکھتی ہیں
ضعیف آنکھیں کہ ماتما کا غرور جن میں جھلک اُٹھا ہے
ہزار قومیں عظیم انسانیت کی وحدت میں ڈھل گئی ہیں
ہزار پھولوں کا ہار گندھ کر لہک اُٹھا ہے مہک اُٹھا ہے
عروسِ تہذیب کی ملائم دراز زلفیں سنور گئی ہیں
نگارِ گیتی کا خوبصورت جوان ابرو لچک اُٹھا ہے
سلام اے ارضِ الیسٹالن کہ آج تیری سحر کا پرتو
فلک فلک پر اُفق اُفق پر زمیں زمیں پر چمک اُٹھا ہے
تمام مشرق جھلک اُٹھا ہے

امن نامہ

اِدھر آ اِدھر ساقیٔ بے حواس — ذرا بیٹھ جا اپنے رندوں کے پاس
یہ کیسی نگاہیں ہیں کھوئی ہوئی — یہ کیا ہے کہ محفل ہے سوئی ہوئی
ڈھلکتا وہ شانے سے آنچل نہیں — وہ شوخی نہیں ہے وہ چھل بل نہیں
نہ آنکھوں میں اُڈا ہوا وہ سُرور — کہ ہم بے پیے جس سے ہو جائیں چُور
نہ وہ مست و رنگیں لچکتا خرام — کہ موجوں پہ لہرا کے بہتا ہو جام

نہ چشم عنایت نہ حسن عتاب   تھکی سی ادا، مضمحل سا شباب

وہ طوفاں نہیں وہ روانی نہیں   کہ جیسے جوانی، جوانی نہیں

بجھا سا تبسم ہے اور کچھ نہیں   دبا سا تلاطم ہے اور کچھ نہیں

یہ آخر پریشاں خیالی ہے کیا   ترا میکدہ آج خالی ہے کیا؟

نہیں یہ تو پھر ہائے اندھیر ہے   اُٹھا ساقیا جام کیا دیر ہے

کہاں فرصتِ عیش پاتے ہیں ہم   قسم ہے کہاں روز آتے ہیں ہم

چلے ساقیا دورِ ساغر چلے   کہ مینا کو بڑھ کر لگا لیں گلے

ترے رند کب تک رہیں تشنہ کام   بڑھا اپنے ہاتھوں سے گلرنگ جام

یہ کیا تیرے سچ مچ ہی ٹھنڈے ہیں ہات   بتا تو ہمیں ساقیا دل کی بات

اُڑا تیرے چہرے کا کیوں رنگ ہے   ارے تجھ کو بھی خطرہ جنگ ہے!

کبھی کر تو ہم سے ٹھکانے کی بات   بتا دیں تجھے ہم زمانے کی بات

جہاں میں غلامی کا عنوان ہے جنگ
سراسر ہلاکت کا ساماں ہے جنگ

لئے برق و فولاد و آہن کا زور
مچاتی ہوئی قتل و غارت کا شور

دھکتا یہ شعلہ دھدکتی یہ آگ
جلا جس میں دنیا کا صدیوں سہاگ

لگائی ہے اس نے گلستاں میں آگ
لگائی ہے اس نے بیاباں میں آگ

جلائی ہے بستی، جلائے ہیں گھر
جلائے ہیں دیوان و دیوار و در

جلائی ہیں فصلیں جلائے ہیں کھیت
لہو میں نہائی ہے ساحل کی ریت

رچایا ہے پُر ہول خونی طلسم
درختوں پہ بالوں سے ٹانگے ہیں جسم

اُٹھائے ہیں شعلے، گرائے ہیں بم
مٹایا ہے انسانیت کا بھرم

مکانوں کی آہیں، مکینوں کی چیخ
فلک تک گئی ہے زمینوں کی چیخ

یہ ناگن سیہ پھن اٹھائے ہوئے
یہ ڈائن کلیجے چبائے ہوئے

یہ سرمایہ داروں کی پالی ہوئی
سدا شہریاروں کی پالی ہوئی

بھیانک بہنسی کھوکھلی سی نظر
کھڑی سرد لاشوں کے انبار پر

زمانے کا کب تک پیئے گی لہو
"تُفو بر تو اے چرخِ گردوں تفو"

جو بس ہو تو یہ دشمنِ نام و ننگ
یہ محبوبۂ پیرِ زالِ فرنگ

مٹا دے زمانے کا نام و نشاں
بنا دے زمیں کو فلک کا دھواں

مگر زندگی ایک حکمِ دوام
امر ہیں، امر ہیں، امر ہیں عوام

نہ ہو میرے ساقی نہ ہو فکرمند
کہ ہے امن کا آج پرچم بلند

خوشا زندگی کی بشارت لئے
کروروں دلوں کی امانت لئے

یہ گیتی کے شانے پہ جا گا نشاں
یہ پرجوش اعلانِ امن واماں

یہ ظلِّ کرم، سایۂ عاطفت
یہ دیباچۂ عدل وانسانیت

نگارِ فضا، دلبرِ کائنات
نگہبانِ ہستی، امینِ حیات

سلامِ محبّت، پیامِ قرار
ضمیرِ گلستاں، سفیرِ بہار

کفیلِ بہاں، ضامنِ آبرو
زمانے کے دل کی جواں آرزو

یہ مظلوم انسانیت کی نجات
یہ اُڑتی ہوئی موجِ آبِ حیات

یہ ہر حُسنِ تہذیب کا پاسباں
یہ کھیتوں پہ دامانِ ابرِ رواں

دلوں کا سکوں عافیت کا ثبات
سروں پر یہ بچّوں کے شفقت کا ہات

یہ پرچم، خوشا جسکے سائے تلے
ملیں آج قوموں سے قومیں گلے

یہ پرچم جسے آج با احترام
اُٹھائے ہیں دنیا کے لاکھوں عوام

چلے آج کیا جنگ بازوں کا زور
مچلتے ہیں مینڈک مچانے دو شور

کہاں جنگ کی ظلمتوں کا اُبال
کہاں امن کی قوتوں کا جمال

کہاں تیرگی شامِ تخریب کی
کہاں روشنی صبحِ تہذیب کی

کہاں نزع کا آخری پیچ و تاب
کہاں زندگی سے اُبلتا شباب

کہاں صرف ایٹم کی طاقت کا شور
کہاں دل کی قوت محبّت کا زور

کہاں ڈالروں سے خریدے غلام
کہاں ساری دنیا کے جاگے عوام

کہاں موت کی سرد تاریک رات
کہاں ایستالن کا جاں بخش ہات

بھلا کس کی طاقت ہے کس کی مجال　　جواب جنگ کا دل میں لائے خیال

لگائے کلیجے سے ایٹم کا راز　　نہ کیوں بوکھلائے پھریں جنگ باز

کہاں سے گھڑیں کوئی ایسا فریب　　کہ کچھ دن کترتے رہیں اور جیب

سہارا اٹھائے دیکھے اک جنگ کا　　سو وہ بھی نہ نکلا کسی ڈھنگ کا

تنی گردنیں آج جھکنے لگیں　　اٹھی آندھیاں آج رکنے لگیں

سمٹنے لگے ابر چھائے ہوئے　　فضاؤں سے غائب وہ سائے ہوئے

اندھیرے کا جی چھوٹ کر رہ گیا　　"پلانوں" کا دم ٹوٹ کر رہ گیا

بھلا دیں کہو ہیروشیما کی بات　　نہ دھونا پڑے اپنی جانوں سے ہات

ہر اک شور و شر آج بے سود ہے　　کہ اب امن دنیا کا مقصود ہے

رہے امن ہر آدمی کے لئے　　رہے امن محنت کشی کے لئے

رہے امن ہر انجمن کے لئے　　رہے امن تہذیب و فن کے لئے

رہے امن علم و ہنر کے لئے　　رہے امن قلب و نظر کے لئے

رہے امن ہر رنگ و بو کے لئے　　رہے امن جام و سبو کے لئے
رہے امن جہدِ بقا کے لئے　　رہے امن ہر ارتقا کے لئے
رہے امن سارے جہاں کے لئے　　رہے امن ہندوستاں کے لئے

پلا ساقیا بادۂ حسانہ ساز　　کہ ہندوستاں پر رہے ہم کو ناز
محبت ہے خاکِ وطن سے ہمیں　　محبت ہے اپنے چمن سے ہمیں
ہمیں اپنی صبحوں سے شاموں سے پیار　　ہمیں اپنے شہروں کے ناموں سے پیار
ہمیں پیار اپنے ہر اک گاؤں سے　　گھنے برگدوں کی گھنی چھاؤں سے
ہمیں پیار اپنی عمارات سے　　ہمیں پیار اپنی روایات سے
ہمیں پیار ہے اپنی تمیز سے　　ہمیں پیار ہے اپنی ہر چیز سے
اٹھائے جو کوئی نظر کیا مجال　　ترے رندلیں بڑھ کے آنکھیں نکال
سلامت رہیں اپنے دشت و دمن　　رہے گنگناتا ہمارا اگگن

نگاہیں ہمالہ کی اونچی رہیں　　سدا چاند تاروں کو چھوتی رہیں
چمکتا دمکتا رہے شیش ناگ　　رہے وادیوں میں چناروں کی آگ
رہے پاک گنگوتری کی پھبن　　مچلتی رہے زلفِ گنگ و جمن
رہے جگمگاتا یہ سنگم کا روپ　　چمکتی خنک چاندنی، نرم دھوپ
جھلکتی رہے یہ اشوکا کی لاٹ　　یہ گوکل کی گلیاں، یہ کاشی کے گھاٹ
لٹاتی رہیں اپنے نینوں کا مدھ　　یہ صبحِ بنارس یہ شامِ اودھ
رہے یہ دھواں دھار کی آب و تاب　　یہ مرمر پہ پگھلا ہوا ماہتاب
رہیں سرخرو سیکری کے محل　　یہ نینی کی جھیلوں میں کھلتے کنول
تہاتا رہے نرم کرنوں میں تاج　　رہے تا قیامت محبت کی لاج
اجنتا کے بت رقص کرتے رہیں　　حسیں غار تاروں سے بھرتے رہیں
رہیں مسکراتی حسیں وادیاں　　رہیں شاد جنگل کی شہزادیاں
ہری کھیتیاں لہلہاتی رہیں　　جواں لڑکیاں گیت گاتی رہیں

لہکتا رہے سبز میداں میں دھان — زمینوں پہ سجتے رہیں آسمان
فضا میں گھٹائیں گرجتی رہیں — جواں چہاگلیں تٹ پہ سجتی رہیں
اڑاتی رہے آنچلوں کو ہوا — ملہاروں کی بوندوں میں گونجے صدا
مہکتے رہیں سبز آموں کے بور — بڑھاتی رہے پینگ جھولے کی ڈور
پپیہے کی پی پی تو کوئل کی کوک — اٹھاتی رہے نرم سینوں میں ہوک
دہکتی رہے پاک ہولی کی آگ — رہیں کھیلتی ناریاں پی سے پھاگ
سدا گائے رادھا کنھیا کے گُن — مچلتی رہے بن میں مرلی کی دھن
سلامت یہ متھرا کی نگری رہے — چھلکتی یہ رنگوں کی گگری رہے
رہے یہ دیوالی کی جگ مگ بہار — منڈیروں پہ جلتے دیوں کی قطار
فضا روشنی میں نہاتی رہے — ہماری زمیں جگمگاتی رہے
رہے آسماں پر دمکتا ہلال — رہے عید کا مسکراتا جمال
گلے سے گلے لوگ ملتے رہیں — دلوں کے جواں پھول کھلتے رہیں

رہے یہ بسنتوں کے میلے کی دھوم　　رہیں شاد یہ گیت گاتے ہجوم

حسینوں کے لہکیں بسنتی لباس　　رہے نرم چہروں پہ ہلکی مٹھاس

حسیں اکھیاں جھل جھلاتی رہیں　　جھماجھم ستارے لٹاتی رہیں

رہے اپنے بھائی پہ بہنوں کو ناز　　یہ معصوم نرمی، یہ میٹھا گداز

گھروں کا تقدس رہے برقرار　　یہ بیٹوں کے ماتھے پہ ماؤں کا پیار

رہے شاد و آباد صحنوں کی دھوم　　رہیں آنگنوں میں چہکتے نجوم

رہیں لڑکیوں میں یہ گڑیوں کے کھیل　　رہے چھک چھکاتی یہ بچوں کی ریل

سلامت رہے دلہنوں کی پھبن　　سلامت رہیں دل میں کھلتے چمن

سلامت رہے انکھڑیوں کی حیا　　سلامت رہے گھونگھٹوں کی ادا

سلامت دوپٹوں کی رنگیں بہار　　سلامت جواں آنچلوں کا وقار

سلامت رہے پاک افشاں کا نور　　سلامت رہے بندیوں کا غرور

سلامت رہے کاجلوں کی لکیر　　سلامت رہیں نرم نظروں کے تیر

سلامت رہے چوڑیوں کی کھنک
سلامت رہے کنگنوں کی چمک

سلامت حسینوں کے سولہ سنگھار
یہ جوڑے پہ لپٹے چنبیلی کے ہار

سلامت جواں شوخ مہندی کا رنگ
لہکتا مہکتا رہے انگ انگ

سلامت رہیں مرگ نینوں کے بان
سلامت رہے مرنیوالوں کی شان

سلامت وفاؤں کے ارماں رہیں
سلامت محبّت کے پیماں رہیں

سلامت رہیں ہیر رانجھے کے گیت
رہے ہار میں بھی محبّت کی جیت

لجانا رہے مُسکرانا رہے
منانا رہے روٹھ جانا رہے

محبّت کے چشمے اُبلتے رہیں
جواں سال نغموں میں ڈھلتے رہیں

رہے جوشؔ کی شبنمی شاعری
مے و گُل کی موزوں حسیں ساحری

دلوں پر رہے وجد آگیں سکوت
رہے گنگناتا ہوا "میگھ دوت"

رہے دھوم ٹیگورؔ و اقبالؔ کی
رہے شان پنجاب و بنگال کی

رہے نام اپنے ادب کا بلند
دلوں میں سمایا رہے پریم چند

سدا زندگانی غزل خواں رہے — زمانے میں غالب کا دیواں رہے

فضاؤں میں چھڑتے رہیں یہ ستار — سدا جھنجھناتے رہیں دل کے تار

مچلتی رہے مست بینا کی لے — برستی رہے سات رنگوں کی مے

مہکتی رہے بھیرویں کی الاپ — رہے خود ہواؤں کی پھولوں پہ تھاپ

دہکتا رہے اپنے دیپک کا راگ — کلیجوں میں لگتی رہے نرم آگ

رہے گو بجتی گھنگھروؤں کی کھنک — دفوں کی صدا ڈھولکوں کی گمک

یہ گھوم، یہ کتھک کے توڑے رہیں — جواں ناچ دل کو جھنجھوڑے رہیں

رہے ساقیا بادہ خواروں کی خیر — رہے ساقیا تیرے پیاروں کی خیر

رہے خیر ساقی ترے ہات کی — رہے خیر ساقی ہراک بات کی

اُبھرتا رہے زندگانی کا جوش — رہے تیرے رندوں کو دنیا کا ہوش

خوشا میکدے کی بہاریں رہیں — مچلتی یہ مے کی پھواریں رہیں

صراحی سے ساغر رہے متصل — نہ ٹوٹے کبھی تیرے شیشوں کا دِل

سلامت ترا جام و مینا رہے   بڑے لطف کے ساتھ پینا رہے

اٹھا جام! ہاں دورِ ساقی رہے

جہاں میں سدا امن باقی رہے

۵۲ء

سلام

سلام امن کے جوان نیلگوں نشان کو

بھلا دیں جنگ باز آج جنگ کے گمان کو

نہ چھو سکے گی یہ گھٹا ہمارے آسمان کو

کہ ہم کو اپنی دھوپ، اپنی چاندنی سے پیار ہے

ہم امن چاہتے ہیں ہم کو زندگی سے پیار ہے

سچ مچ کی کہانی

ہندوستانی بچوں کے نام

جگ میں پھرتا ایک لٹیرا ملکوں ملکوں ڈالے ڈیرا
خود کو سب کا راجا کہتا سات سمندر پار ہے رہتا
شہروں شہروں آگ لگاتا بھاری گولے آن گراتا
پھولوں کی مسکان کا دشمن بچوں کی تو جان کا دشمن
کوئی بھی اُس کے ساتھ نہیں ہے سچ ہے، جھوٹی بات نہیں ہے

ہم ہیں لیکن کتنے سارے دھرتی ماں کی آنکھ کے تارے

ہند میں ہم، ایران میں ہم ہیں مصر میں ہم، یونان میں ہم ہیں

روسی بچّے، چینی بچّے اپنے کتنے دوست ہیں سچّے

اُن کی جانب ہاتھ بڑھائیں امن کی مل کر فوج بنائیں

سج کر نکلیں، تن کر نکلیں امن سپاہی بن کر نکلیں

اب سے راجا لوٹ نہ پائے
کوئی کھلونا ٹوٹ نہ پائے

۶۵۲ء

۲۵ر دسمبر ۵۲ء

یہ ترے پیار کی خوشبو سے مہکتی ہوئی رات

اپنے سینے میں چھپائے ترے دِل کی دھڑکن

آج پھر تیری ادا سے مرے پاس آئی ہے

اپنی آنکھوں میں تری زلف کا ڈالے کاجل

اپنی پلکوں پہ سجائے ہوئے ارمانوں کے خواب

اپنے آنچل پہ تمنّا کے ستارے ٹانکے

گنگناتی ہوئی یادوں کی لویں جاگ اُٹھیں
کتنے گذرے ہوئے لمحوں کے چمکتے جگنو
دل کو ہالے میں لئے ناچ رہے ہیں کب سے

کتنے لمحے جو تری زلف کے سائے کے تلے
غرق ہو کر تری آنکھوں کے حسیں ساغر میں
غمِ دوراں سے بہت دُور گذارے میں نے

کتنے لمحے کہ تری پیار بھری نظروں نے
کس سلیقے سے سجائی مرے دل کی محفل
کس قرینے سے سکھایا مجھے جینے کا شعور

کتنے لمحے کہ حسین "نرم" سبک آنچل سے
تو نے بڑھ کر مرے ماتھے کا پسینہ پونچھا
چاندنی بن گئی راہوں کی کڑی دھوپ مجھے

کتنے لمحے کہ غمِ زیست کے طوفانوں میں
زندگانی کی جلائے ہوئے باغی مشعل
تو مرا عزمِ جواں بن کے مرے ساتھ رہی

کتنے لمحے کہ غمِ دِل سے اُبھر کر ہم نے
اک نئی صبحِ محبّت کی لگن اپنائی
ساری دنیا کے لئے سارے زمانے کے لئے

اِنہی لمحوں کے گل آویز شراروں کا تجھے
گوندھ کر آج کوئی ہار پہنا دوں آ جا
چوم کر مانگ تری تجھ کو سجا دوں آ جا

۶۵۲

اعتراف

فراہم کر کے میرے دل کے اجزائے پریشاں کو
مری بکھری ہوئی ہستی کو صورت بخش دی تو نے
کہاں باقی رہا تھا زندگی کا حوصلہ مجھ میں
مجھے اکبار پھر جینے کی ہمت بخش دی تو نے
وہ غم ہو یا مسرت ہو، وہ مرنا ہو کہ جینا ہو
مجھے ہر حال میں اپنی ضرورت بخش دی تو نے

خاکِ دِل

صفیہ کے انتقال پر لکھنؤ سے جاتے ہوئے

لکھنؤ میرے وطن میرے چمن زار وطن !

تیرے گہوارۂ آغوش میں اے جانِ بہار
اپنی دنیائے حسیں دفن کئے جاتا ہوں
تو نے جس دل کو دھڑکنے کی ادا بخشی تھی
آج وہ دل بھی یہیں دفن کئے جاتا ہوں

دفن ہے دیکھ مرا عہدِ بہاراں تجھ میں
دفن ہے دیکھ مری روحِ گلستاں تجھ میں
میری گلپوش جواں سال اُمنگوں کا سہاگ
میری شاداب تمنّا کے مہکتے ہوئے خواب
میری بیدار جوانی کے فروزاں مہ و سال
میری شاموں کی ملاحت، مری صبحوں کا جمال
میری محفل کا فسانہ، مری خلوت کا فسوں
میری دیوانگیٔ شوق، مرا نازِ جنوں
میرے مرنے کا سلیقہ، مرے جینے کا شعور
میرا ناموسِ وفا، میری محبّت کا غرور
میری نبضوں کا ترنّم، مرے نغموں کی پکار
میرے شعروں کی سجاوٹ، مرے گیتوں کا سنگھار

لکھنؤ! اپنا جہاں سونپ چلا ہوں تجھ کو
اپنا ہر خوابِ جواں سونپ چلا ہوں تجھ کو
اپنا سرمایۂ جاں سونپ چلا ہوں تجھ کو

لکھنؤ! میرے وطن، میرے چمن زار وطن!
یہ مرے پیار کا مدفن ہی نہیں ہے تنہا
دفن ہیں اس میں محبت کے خزانے کتنے
ایک عنوان میں مضمر ہیں فسانے کتنے
اک بہن اپنی رفاقت کی قسم کھائے ہوئے
ایک ماں مر کے بھی سینے میں لئے ماں کا گداز
اپنے بچوں کے لڑکپن کو کلیجے سے لگائے
اپنے کھلتے ہوئے معصوم شگوفوں کے لئے

بند آنکھوں میں بہاروں کے جواں خواب لیے

یہ مرے پیار کا مدفن ہی نہیں ہے تنہا
ایک ساتھی بھی تہِ خاک یہاں سوتی ہے
عرصۂ دہر کی بے رحم کشاکش کا شکار
جان دے کر بھی زمانے سے نہ مانے ہوئے ہار
اپنے تیور میں وہی عزمِ جواں سال لئے

یہ مرے پیار کا مدفن ہی نہیں ہے تنہا
دیکھ! اک شمع سرِ راہ گذر جلتی ہے
جگمگاتا ہے اگر کوئی نشانِ منزل
زندگی اور بھی کچھ تیز قدم چلتی ہے

لکھنؤ میرے وطن! میرے چمن زار وطن!

دیکھ اس خواب گہِ ناز پہ کل موجِ صبا
لے کے نوروزِ بہاراں کی خبر آئے گی
سُرخ پھولوں کا بڑے ناز سے گوندھے ہوئے ہار
کل اسی خاک پہ گلرنگ سحر آئے گی
کل انہی خاک کے ذرّوں میں سما جائے گا رنگ
کل مرے پیار کی تصویر اُبھر آئے گی

اے مری روحِ چمن! خاکِ لحد سے تیری
آج بھی مجھ کو ترے پیار کی بو آتی ہے
زخم سینے کے مہکتے ہیں تری خوشبو سے
وہ مہک ہے کہ مری سانس گھُٹی جاتی ہے

مجھ سے کیا بات بنائے گی زمانے کی جفا
موت خود آنکھ ملاتے ہوئے شرماتی ہے

میں اور ان آنکھوں سے دیکھوں تجھے پیوندِ زمیں
اس قدر ظلم نہیں ہلئے نہیں، ہائے نہیں
کوئی اے کاش بجھا دے مری آنکھوں کے دیئے
چھین لے مجھ سے کوئی کاش نگاہیں میری
اے مری شمعِ وفا اے مری منزل کے چراغ
آج تاریک ہوئی جاتی ہیں راہیں میری

تجھ کو روؤں بھی تو کیا روؤں کہ ان آنکھوں میں
اشک پتھر کی طرح جم سے گئے ہیں میرے

زندگی عرصہ گہِ جہدِ مسلسل ہی سہی
ایک لمحے کو قدم تھم سے گئے ہیں میرے

پھر بھی اس عرصہ گہِ جہدِ مسلسل سے مجھے
کوئی آواز پہ آواز دیئے جاتا ہے
آج سوتا ہی تجھے چھوڑ کے جانا ہوگا
نازِ یہ بھی غمِ دوراں کا اٹھانا ہوگا

زندگی دیکھ مجھے حکمِ سفر دیتی ہے
اک دلِ شعلہ بجاں ساتھ لئے جاتا ہوں
ہر قدم تو نے کبھی عزمِ جواں بخشا تھا
میں وہی عزمِ جواں ساتھ لئے جاتا ہوں

چوم کر آج تری خاکِ لحد کے ذرّے
ان گنت پھول محبت کے چڑھاتا جاؤں
جانے اس سمت کبھی میرا گذر ہو کہ نہ ہو
آخری بار گلے تجھ کو لگاتا جاؤں

لکھنؤ! میرے وطن، میرے چمن زار وطن!
دیکھ اس خاک کو آنکھوں میں بسا کر رکھنا
اس امانت کو کلیجے سے لگا کر رکھنا
لکھنؤ میرے وطن، میرے چمن زار وطن

اِستالن

افقِ وقت سے خورشیدِ درخشاں ٹوٹا

کون خورشیدِ درخشاں، وہ مرا استالن

دفعتہً چیخ سی اِک سینۂ گیتی سے اُٹھی

دفعتہً دل کی پکاروں سے جہاں گونج اُٹھا

نالۂ درد سے کاشانۂ جاں گونج اُٹھا

دشت و در گونج اُٹھے، کون؟ مرا استالن!
بحر و بر گونج اٹھے، کون؟ مرا استالن!
قلبِ گلشن سے جنوں خیز پکاریں نکلیں
چاک کرتی ہوئی دامن کو بہاریں نکلیں
بال کھولے ہوئے کھیتوں سے ہوائیں لپکیں
کارخانوں سے دلِ افگار صدائیں لپکیں

بادبانوں سے لرزتی ہوئی آہیں دوڑیں
تھرتھراتی ہوئی تاروں کی نگاہیں دوڑیں
ایک لمحے کے لئے چھا سی گئی دہر پہ رات
روشنی چیخ اٹھی، کون؟ مرا استالن!
ایک لمحے کے لئے رُک سی گئی نبضِ حیات
زندگی چیخ اٹھی، کون؟ مرا استالن!

ساتھیو! جادۂ منزل پہ ہمارا رہبر
زندگی بھر کی مشقت سے تھکا سوتا ہے
ذرّے ذرّے کو فروغِ مہ و انجم دے کر
آسماں سینۂ گیتی سے لگا سوتا ہے

دوستو! بارگہِ عظمتِ آدم ہے یہی
پائے رفتار کو آداب سکھا دو، ٹھہرو
دل ہمارے ہیں اسی کے تو کھلائے ہوئے پھول
اس کے قدموں میں یہی پھول چڑھا دو، ٹھہرو
سر بہ خم عظمتِ کونین ہوئی جاتی ہے
ساتھیو! پرچمِ گلرنگ جھکا دو، ٹھہرو

تجھ میں اے پرچمِ گلرنگ! ادا کس کی ہے

سرخ تارے! ترے سینے میں ضیا کس کی ہے

چین! کس ابر کا پرتو ترے گلزار پہ ہے

رنگ کس کا یہ ترے باغ کی دیوار پہ ہے

تیرے جھومے ہوئے دھانوں میں لہک ہے کس کی

ماؤ کے نرم تبسم میں جھلک ہے کس کی

کوریا! عزم ہے کس کا ترے جانبازوں میں

کس کی للکار چھپی ہے تری آوازوں میں

دیت من! یہ ترے شعلے میں لپک کس کی ہے

تیرے بڑھتے ہوئے قدموں میں دھمک کس کی ہے

آگ یہ کس کی ملایا ترے باغات میں ہے

کون سا سرخ نشاں دیکھ ترے ہات میں ہے

مصر! یہ دھوم ہے کیا تیرے خریداروں میں
آگیا کون سا یوسف ترے بازاروں میں
وادیٔ نیل پہ ہے لالہ فشانی کس کی
چھا چلی ارضِ زلیخا پہ جوانی کس کی
خاکِ ایران! ترے دل میں لگی ہے کس کی
آگ یہ تیل کے سینے میں دبی ہے کس کی
یہ شفق تیرے گلستاں میں لٹا دی کس نے
شمع ہر گل کی ہتھیلی پہ جلا دی کس نے
ہند! اے میرے وطن میرے ہمالہ کی زمیں
میرے فردوس، مرے تاج و اجنتا کی زمیں
زلفِ بنگال میں یہ خم یہ ادا کس کی ہے
یہ دکن پر ترے گلنار گھٹا کس کی ہے

سُرخ ہے کس سے جبیں تیرے تلنگانے کی
کس کی ممنون ہے سُرخی ترے افسانے کی

ایشیا تیرے گلستاں کا سجانے والا
اک نئی آب و ہوا دے کے گیا ہے تجھ کو
ارضِ مشرق! تری زینت کا بڑھانے والا
سُرخ پھولوں کی قبا دے کے گیا ہے تجھ کو
عمر بھر تیرے لئے جان کھپانے والا
اپنی محنت کا صلا دے کے گیا ہے تجھ کو
جاتے جاتے بھی ترا ناز اُٹھانے والا
تحفۂ امن و بقا دے کے گیا ہے تجھ کو

ہاں بڑھے چل کہ ترا راہ بتانے والا
تیری منزل کا پتا دے کے گیا ہے تجھ کو

اِستالن! تری صاحب نظری باقی ہے
دیدہ ور دیکھ، تری دیدہ وری باقی ہے
راہبر! اب بھی تری راہبری باقی ہے
عزمِ محکم ہے ترا نام زمانے کے لئے
جہدِ پیہم ہے ترا نام زمانے کے لئے
ایک پرچم ہے ترا نام زمانے کے لئے

ساتھیو! دوش پہ گلرنگ نشاں لے کے چلو
اک جہاں لے کے اُٹھو، ایک جہاں لے کے چلو

اسٹالن ابھی زندہ ہے ہمارے دل میں
ہر قدم ایک نیا عزم جواں لے کے چلو
زندگانی کے خزانے کہیں لٹ سکتے ہیں
زندگانی سے نئی تاب و تواں لے کے چلو
سیلِ رفتار میں دریا کی روانی کھوجائے
اپنی ٹھوکر میں ہر اک کوہِ گراں لے کے چلو
ظلمتِ آخرِ شب بھی نہ رہے گی باقی
اور دو چار قدم مشعلِ جاں لے کے چلو

ساتھیو! حوصلۂ شوق کو مہمیز کرو
ہاں قدم تیز کرو، تیز کرو، تیز کرو

ارتقا وقت کا فرمان سناتا ہے چلو
ہر قدم ماؤ ہمیں راہ دکھاتا ہے چلو
ایستالن ہمیں منزل پہ بلاتا ہے چلو

۶۵۳

جذبۂ بیدار

جذبۂ بیدار و قلبِ باخبر رکھتا ہوں میں
وقت کے سینے میں دزدیدہ نظر رکھتا ہوں میں
میرے گردِ راہ ہوں گے ماہ و انجم ایک دن
آسماں تا آسماں عزمِ سفر رکھتا ہوں میں
زندگی کیا ہے مسلسل شوق، پیہم اضطراب
ہر قدم پہلے قدم سے تیز تر رکھتا ہوں میں

خاموش آواز

(جنوری کی چاندنی رات میں صفیہ کے مزار پر)

کتنے دن میں آئے ہو ساتھی
میرے سوتے بھاگ جگانے
مجھ سے الگ، اس ایک برس میں
کیا کیا بیتی تم پہ نہ جانے

دیکھو کتنے تھک سے گئے ہو
کتنی تھکن آنکھوں میں گھُلی ہے
آؤ تمھارے واسطے ساتھی
اب بھی مری آغوش کھُلی ہے

چُپ ہو کیوں، کیا سوچ رہے ہو
آؤ، سب کچھ آج بھُلا دو
آؤ اپنے پیار سے ساتھی
پھر سے مجھے اک بار جِلا دو

اِتنے دن کے بعد کہیں تم!
آئے ہو ساجن میرے دوارے
آج اندھیرے انگنا مورے
ناچ اُٹھے ہیں چاند ستارے

دیکھو کتنی رات حسیں ہے
جیسے میرا پیار کھلا ہو
آج تو ایسی جوت ہے جیسے
چاند زمیں سے آن ملا ہو

بولو ساتھی کچھ تو بولو
کب تک آخر آہ بھروں گی
تم نے مجھ پر ناز کئے ہیں
آج میں تم سے ناز کروں گی

آؤ میں تم سے رُوٹھ سی جاؤں
آؤ مجھے تم ہنس کے منا لو
مجھ میں سچ مچ جان نہیں ہے
آؤ مجھے ہاتھوں پہ اُٹھا لو

تم کو میرا غم ہے ساتھی
کیسے اب اس غم کو بھلاؤں
اپنا کھویا جیون بولو
آج کہاں سے ڈھونڈھ کے لاؤں

یہ نہ سمجھنا میرے ساجن!
دے نہ سکی میں ساتھ تمھارا
یہ نہ سمجھنا میرے دل کو
آج تمھارا دُکھ ہے گوارا

یہ نہ سمجھنا میں نے تم سے
جان کے یوں مُنھ موڑ لیا ہے
یہ نہ سمجھنا میں نے تُم سے
دِل کا ناتہ توڑ لیا ہے

یہ نہ سمجھنا میں نے تم سے
آج کیا ہے کوئی بہانا
دنیا مجھ سے روٹھ چکی ہے
ساتھی! تم بھی روٹھ نہ جانا

آج بھی ساجن میں ہوں تمھاری
آج بھی تم ہو میرے اپنے
آج بھی ان آنکھوں میں بسے ہیں
پیار کے انمٹ گہرے سپنے

دل کی دھڑکن ڈوب بھی جائے
دل کی صدائیں تھک نہ سکیں گی
مٹ بھی جاؤں، پھر بھی تم سے
میری وفائیں تھک نہ سکیں گی

یہ تو پوچھو مجھ سے چھُٹ کر
تیرے دل پر کیا کیا گذری
تم بن میری ناؤ تو ساجن
ایسی ڈوبی پھر نہ اُبھری

ایک تمھارا پیار بچا ہے
ورنہ سب کچھ لُٹ سا گیا ہے
ایک مسلسل رات کہ جس میں
آج مرا دم گھُٹ سا گیا ہے

آج تمھارا رستا تکتے
میں نے پورا سال بِتایا
کتنے طوفانوں کی زد پر
میں نے اپنا دِیپ جَلایا

تم بن سارے موسم بیتے
آئے جھونکے سرد ہوا کے
نرم گلابی جاڑے گذرے
میرے دل میں آگ لگا کے

ساون آیا دھوم مچاتا
گھر گھر کالے بادل چھائے
میرے دل پر جم سے گئے ہیں
جانے کتنے گہرے سائے

چاند سے جب بھی بادل گذرا
دل سے گذرا عکس تمھارا
پھول جو چٹکے میں نے جانا
تم نے شاید مجھ کو پکارا

آئیں بہاریں مجھ کو منانے
تم بن میں تو مُنھ سے نہ بولی
لاکھ فضائیں گیت سے گونجے
لیکن میں نے آنکھ نہ کھولی

کتنی نِکھری صبحیں گذریں
کتنی مہکی شامیں چھائیں
میرے دِل کو دور سے تکنے
جانے کتنی یادیں آئیں

اتنی مدّت بعد تو پی تم
آج کلی ہردے کی کھِلی ہے
کتنی راتیں جاگ کے ساجن
آج مجھے یہ رات ملی ہے

بولو ساتھی کچھ تو بولو
کچھ تو دل کی بات بتاؤ
آج بھی مجھ سے دور رہو گے
آؤ مرے نزدیک تو آؤ

آؤ میں تم کو بہلالوں گی
بیٹھ تو جاؤ میرے سہارے
آج تمھیں کیوں غم ہے بولو
آج تو میں ہوں پاس تمھارے

اچھا میرا غم نہ بھلاؤ
میرا غم ہر غم میں سمولو
اس سے اچھی بات نہ ہوگی
یہ تو تمھیں منظور ہے بولو

اب سے اپنا دِل نہ دُکھانا
میرے لئے فریاد نہ کرنا
مجھ سے کچھ بھی پیار اگر ہے
میرا غم برباد نہ کرنا

میرے غم کو میرے شاعر!
اپنے جواں گیتوں میں رچا لو
میرے غم کو میرے شاعر!
سارے جگ کی آگ بنا لو

میرے غم کی آنچ سے ساتھی
چونک اُٹھے گا عزم تمھارا
بات تو جب ہے لاکھوں دل کو
چھولے اپنے پیار کا دھارا

میں جو تمھارے ساتھ نہیں ہوں
دل کو مت مایوس کرو تم
تم ہو تنہا، تم ہو اکیلے
ایسا کیوں محسوس کرو تم

آج ہمارے لاکھوں ساتھی
ساتھی! ہمت ہار نہ جاؤ
آج کروروں ہاتھ بڑھیں گے
ایک ذرا تم ہاتھ بڑھاؤ

اچھا اب تو ہنس دو ساتھی
ورنہ دیکھو رو سی پڑوں گی
بولو ساتھی کچھ تو بولو
آج میں سچ مچ تم سے لڑوں گی

جاگ اُٹھی لو دنیا میری
آئی ہنسی وہ لب پہ تمھارے
دیکھو دیکھو میری جانب
دوڑ پڑے ہیں چاند ستارے

جھِل مِل جھِل مِل کرنیں آئیں
مجھ کو چندن ہار پہنانے
جگمگ جگمگ تارے آئے
پھر سے میری مانگ سجانے

آئیں ہوائیں جھانجھ بجاتی
گیتوں مورا انگنا جاگا
مورے ماتھے جھومر دمکا
مورے ہاتھوں کنگنا جاگا

جاگ اُٹھا ہے سارا عالم
جاگ اُٹھی ہے رات ملن کی
آؤ زمیں کی گود میں ساجن
سیج سجی ہے آج دُلھن کی

آؤ جاتی رات ہے ساتھی
پیار تمھارا دل میں بھر لوں
آؤ، تمھاری گود میں ساجن
تھک کر آنکھیں بند سی کرلوں

اُٹھو ساتھی! دُور اُفق کا
نرم کنارا کانپ اُٹھا ہے
میرے دل کی دھڑکن بن کر
صبح کا تارا کانپ اُٹھا ہے

دل کی دھڑکن! ڈوب کے رہ جا
جاگی نبضو! تھم سی جاؤ
پھر سے میری بے نم آنکھو!
پتھر بن کر جم سی جاؤ

میرے غم کا غم نہ کرو تم
اچھّا اب سے غم نہ کروں گی
میرے ارادوں والے ساتھی
جاؤ میں ہمّت کم نہ کروں گی

تم کو ہنس کر رخصت کر دوں
سب کچھ میں نے ہنس کے سہا ہے
تم بن مجھ میں کچھ نہ رہے گا
یوں بھی اب کیا خاک رہا ہے

دیکھو! کتنے کام پڑے ہیں
اچھا، اب مت دیر کرو تم
کیسے جم کر رہ سے گئے ہو
اتنا مت اندھیر کرو تم

بولو! تم کو کیسے روکوں
دنیا تو الزام دھرے گی
ایسے پاگل پیار کو ساتھی
ساری خِلقت نام دھرے گی

آؤ میں اُلجھے بال سنواروں
مجھ سے کوئی کام تو لے لو
پھر سے گلے اک بار لگا کر
پیار سے میرا نام تو لے لو

اچھا ساتھی جاؤ سدھارو
اب کی اتنے دن نہ لگانا
پیاسی آنکھیں راہ تکیں گی
ساجن جلدی لوٹ کے آنا
لیکن ٹھہرو، ٹھہرو ساتھی
دل کو ذرا تیار تو کر لوں
آؤ مرے پردیسی ساجن
آؤ میں تم کو پیار تو کر لوں

۶۵۴

تجھ کو گئے ہوئے تو بہت دیر ہو چکی
اب تک تجھے گلے سے لگائے ہوئے ہیں ہم

آج تلک

جیون کی یہ چھائی ہوئی اندھیاری رات
کیا جانے کس موڑ پہ چھوٹا ترا ساتھ
پھرتا ہوں ڈگر ڈگر اکیلا لیکن
شانے پہ مرے آج تلک ہے ترا ہاتھ

ستاروں کی صدا

پچھلے پہر، ماہِ تمام تاروں سے تھا یوں ہمکلام

اے نوریانِ آسماں جلوہ کنانِ آسماں

مانا کہ تم پُرنُور ہو پھر بھی زمیں سے دور ہو

دنیا سے ہوں نزدیک میں کہتا ہوں تم سے ٹھیک میں

انساں نہیں اب بے ضمیر شب تاب افسوں میں اسیر

اب وہ اُمیدیں توڑ دو صدیوں کی باتیں چھوڑ دو

سمجھائے گئے اہلِ زمیں — جب تم کو قسمت کے نگیں
تم رہبری کرتے رہے — افسوں گری کرتے رہے
تقدیر کی ظلمات میں — غم کی اندھیری رات میں
انساں مگر بھٹکا کیا — کانٹا کوئی کھٹکا کیا
جو دیں نہ منزل کا سُراغ — کس کام کے ایسے چراغ
لیکن گیا وہ دَوراب — انسانِ ہے کچھ اَور اب
جاگا ہے صدیوں کا شعور — راہوں میں ہے منزل کا نور
نظریں ستاروں سے بلند — ڈالے فضاؤں پر کمند
ہر عزم عزمِ استوار — ہر حوصلہ گردوں شکار
اب آدمی بیدار ہے — رفتار ہی رفتار ہے
گیتی کے اب دن پھر چکے — اب تم نظر سے گر چکے
نخوت میں پھر بھی چور ہو — کس بات پر مغرور ہو

زُہرہ، وہ خود اپنی مثال   رقاصۂ حسن و جمال
اٹھلائی سو انداز سے   کہنے لگی کس ناز سے
معلوم کیا تجھ کو قمر!   ناقدرداں ہے یہ بشر
انساں کو اے ماہِ کمال   کس نے دیا ذوقِ جمال
بے آب تھی اس کی سحر   بے کیف تھی اس کی نظر
ذوقِ سحر میں نے دیا   حُسنِ نظر میں نے دیا
سن کر مرا سیمیں رباب   انگڑائی لے اٹھا شباب
یہ زندگی، یہ بانکپن   یہ عشق و اُلفت کی لگن
یہ نوجوانی کا نشاط   یہ دو دلوں کا اختلاط
عیش و طرب کا یہ وفور   یہ رقص و نغمہ کا سرور
مجھ سے سبھی کچھ تو ملا   اور آج اس کا یہ صِلا
معبد مرے ویران ہیں   کیا خوب یہ انسان ہیں

کہنے لگا سُن کر قمر زُہرہ! ذرا تو غور کر

بیتے زمانے اب کہاں اصنام خانے اب کہاں

انسان کی نادانیاں ختم کر چکیں پیشانیاں

خود دیکھ کر میرا جمال کھِلتا تھا بچّے کی مثال

کچھ بھی نہیں معلوم تھا انساں بہت معصوم تھا

بے شک ترا حسن و جمال دنیا میں تھا ضرب المثال

رہنے دے اب وہ طُمطراق بدلا ہے دنیا کا مذاق

بدلے گئے افکار بھی وہ حسن کا معیار بھی

اب حُسن تاروں میں نہیں شب کے نظاروں میں نہیں

چشمِ بشر میں ہے زمیں اب چاند تاروں سے حسیں

اب آب و گِل میں حُسن ہے اب سنگ و سِل میں حسن ہے

اب حُسن ہے ذرّات میں طوفاں بدل قطرات میں

اب ارتقا میں حُسن ہے ۔۔۔ جہدِ بقا میں حسن ہے
محنت کشی میں حسن ہے ۔۔۔ خود زندگی میں حسن ہے
اب وہ ترا افسوں نہیں ۔۔۔ انساں ترا ممنوں نہیں
تو نے بصد مشق و کمال ۔۔۔ ڈالے نظر پر خوب جال
محفل سجائی ناز کی ۔۔۔ چھیڑیں صدائیں ساز کی
ہر عیش کی ترغیب دی ۔۔۔ ترغیب دی، ترکیب دی
ہر قلب کو دہکا دیا ۔۔۔ ہر اک قدم بہکا دیا
تو نے پلائی بے حساب ۔۔۔ انساں کو غفلت کی شراب
انساں طرب میں کھو گیا ۔۔۔ اپنے سے غافل ہو گیا
رستا نہ منزل کا پتا ۔۔۔ ہو جھوٹ تو مجھ کو بتا!

تھا مشتری کھویا ہوا ۔۔۔ اک بار یوں گویا ہوا

تو دوست ہے میرا قمر　　مجھ پر تو یہ تہمت نہ دھر
میں قاضیٔ افلاک ہوں　　ہمدرد اہلِ خاک ہوں
مانا زمیں سے دور ہوں　　میں عدل میں مشہور ہوں
شیوہ مرا بذل و کرم　　ممنوں مرے اہلِ ہمم
املاک بخشی، زر دیا　　گنجینۂ گوہر دیا
یہ کاخ ہائے سر بلند　　رفعت میں گردوں سے دوچند
یہ طاق و ایوان و قصور　　یہ ضو فشاں بقعات نور
یہ جود و بخشش کس نے کی؟　　ایسی نوازش کس نے کی؟
انسان آخر ہے کدھر　　مجھ سے ملائے تو نظر!

کہنے لگا یوں ماہتاب　　آسماں ہے تیرا جواب
تو سعدِ اکبر ہی سہی　　ہم سب سے خوشتر ہی سہی

اے ساکنِ چرخِ ششم — تو کن خیالوں میں ہے گم
ہاں قاضئ افلاک ہے — شاید جبھی چالاک ہے
میں جانتا ہوں تیری چال — بانٹا ہے جیسے مِلک و مال
کرتا رہا ہے تو سدا — تفریقِ سلطان و گدا
تو منعموں کے سات ہے — تیری بھلا کیا بات ہے
اُن کو زمیں دی، زر دیا — اُن کا بھرا گھر بھر دیا
لیکن یہ بیچارے عوام — صدیوں سے بے نیل مرام
کیسے بسر کرتے رہے — کیونکر گذر کرتے رہے
اِن سے تجھے کیا کام تھا — تیرا تو اونچا نام تھا
تیری نظر سے ہر نفس — تابندہ محلوں کے کلس
تیری ضیائیں تاج میں — یاقوت میں، پکھراج میں
تکتے رہے خشت و خزف — دیکھا نہ تو نے اس طرف

دیکھا نہ محلوں سے پرے　　پھرتے ہیں کتنے بے گھرے
اک سمت یہ زرداریاں　　اک سمت یہ ناچاریاں
کیا عدل، کیا انصاف ہے　　بے شک ترا دل صاف ہے
اُلٹی بھی تو چلتا ہے چال　　لاتا ہے دنیا پر وبال
ظاہر ہیں تیری پستیاں　　تو نے اُجاڑیں بستیاں
ویران گلشن ہو گئے　　جو شہر تھے بن ہو گئے
ہاں شوق سے اِنکار کر　　مجھ سے تو آنکھیں چار کر

مریخ وہ آتش مزاج　　پہنے ہوئے کرنوں کا تاج
ہر دم لئے شمشیر سات　　رکھے ہوئے قبضے پہ ہات
سُن کر قمر کی گفتگو　　برہم ہوا وہ شعلہ خو
بولا بھڑک کر اے قمر!　　بیکار کی باتیں نہ کر

سنتا رہا تیرا علو　　میرا مسلّم ہے علو

انساں کو طاقت میں نے دی　　یہ استقامت میں نے دی

بجلی سے بڑھ کر دی نظر　　فولاد کا بخشا جگر

بخشی شجاعت کی ترنگ　　عزم و غا و جوشِ جنگ

انساں کہاں تھا تیغ زن　　میں نے بنایا صف شکن

یہ جوشن و تیغ و کمر　　میں نے سجائے جسم پر

زِرہوں سے سینے سج گئے　　نصرت کے ڈنکے بج گئے

یہ عرصہ ہائے کارزار　　تیغوں سے یہ اُڑتے شرار

یہ طنطنہ افواج کا　　اک سیل سا امواج کا

بڑھتے جوانانِ شجیع　　میداں میں باشانِ وقیع

افرادِ لشکر جوق جوق　　صوتِ جلاجل، شورِ بوق

آتے ہوئے زیرِ کمند　　یہ قلعہ ہائے سربلند

فتح وظفر لیتے قدم   اُڑتے یہ شاہانہ علم
میرا ہی فیضِ ذات ہے   میدان میرے ہات ہے

بولا قمر، مریخ سُن   کیوں باندھ رکھی ہے یہ دُھن
اے میرے جلّادِ فلک   پہونچا نہ کوئی تجھ تلک
تو بُرجِ عقرب کا مکیں   نظریں تری نیش آفریں
تیری یہ گرم وخشک سانس   جیسے اُڑے مرچوں کی دھانس
شیوہ ترا جنگ و جدال   اس فن میں تو صاحب کمال
انساں کو دے کر حرص وآز   تو نے بنایا جنگ باز
دے کر کمان و تیغ و تیر   انسان کا چھینا ضمیر
یہ ملک گیری کی ہوس   سلگی نظر، بھڑکا نفس
جوشِ وغا جب بڑھ گیا   دریا لہو کا چڑھ گیا

غارت گری ہے تیرا کام　　شاہد ہیں کتنے قتلِ عام
کھینچا ہے باحسن و کمال　　کیا نقشۂ جنگ و جدال
میں نے بھی ان آنکھوں سے خاک　　دیکھی ہیں جنگیں ہولناک
وہ عرصہ ہائے کارزار　　انساں پہ وہ انساں کا وار
طاری وہ تیغوں پر جنوں　　اڑتا ہوا انساں کا خوں
وہ لاشہ ہائے بے کفن　　وہ ٹکڑے ٹکڑے فرقِ وتن
اُٹھتی زمیں کے دل سے چیخ　　ہلتی فلک کی چوب و میخ
یہ عرصۂ فوج و سپاہ　　انسانیت کی قتل گاہ
اک مذبح و مقتل ہے یہ　　اک خون کی دلدل ہے یہ
لڑنا شجاعت تو نہیں　　انساں کی فطرت تو نہیں
تو نے سکھائی یہ روش　　ذہنوں میں بھر دی یہ تپش
بخشیں سپہ سالاریاں　　افواج کی سرداریاں

لیکن ذرا خود غور کر   کس کام کا ایسا اثر
افسر بنا، سلطاں بنا   انساں کہاں انساں بنا
مانے گا کیا تو مجھ سے بات   لیکن کہوں گا صاف بات
آتا ہے جب میزان میں   رہتا نہیں اوسان میں
ظالم میں ہمت ہی کہاں   تابِ عدالت ہی کہاں
تجھ کو ستم ڈھانا ہے راس   آجا زمیں سے اور پاس

بولا زحل اے ماہتاب   باتوں کا تیری کیا جواب
ویسے تو ہوں میں سب سے دور   لیکن کہوں گا یہ ضرور
ہے مرتبہ میرا عظیم   ہوں چرخِ ہفتم پر مقیم
دعویٰ بڑا کرتا نہیں   کہتا ہوں سچ ڈرتا نہیں
ہر "زائد الوار" میں   ان اوج کے ادوار میں

کتنا رہا ہوں خیر خواہ — تو خود بھی ہے اس کا گواہ
پامال دشمن کر دیئے — سب بے خار گلشن کر دیئے
اپنے عمل سے بے دروغ — بخشا محبت کو فروغ
بنتے مکاں، سجتے یہ گھر — تعمیر ہوتے بام و در
محل و سرا، سقف و ستوں — اُٹھّے مرے زیرِ شگوں
جب بھی ہوا ہوں میں قوی — بخشی ہے تاثیرِ نوی
کیا شک شرف میں شان میں — پورا ہوں جب میزان میں

بولا قمر، مجھ کو زحل! — معلوم ہیں تیرے عمل
معلوم ہے سب تیرا حال — سیدھی کبھی اُلٹی ہے چال
تیرا ہبوط و احتراق — خود ہے بنائے افتراق
دل میں شقاوت ڈالدی — باہم عداوت ڈال دی

کھیلا محبت سے بھی کھیل　　تو اور منڈھے چڑھنے دے بیل

پہلے جدائی ڈال دی　　گویا مصیبت ٹال دی

پھر گُر کئے تسخیر کے　　صدقے تری تدبیر کے

آساں ہے دل کا توڑنا　　مشکل ہے ٹکڑے جوڑنا

شیخی نہ کر ڈینگیں نہ مار　　قوت ہے تیری مستعار

قصر و محل بنوا دیئے　　لیکن وہ گھر جو ڈھا دیے

یونہی نہیں بدنام ہے　　تیری نحوست عام ہے

ہے دُور انسانوں سے تو　　مانوس ویرانوں سے تو

تیرا سیہ ملبوس ہے　　سب سے بڑا منحوس ہے

زیر اثر اجڑا مسان　　یا بدنصیب ہندوستان

چپ تھا عطارد اب تلک　　بولا کہ اے ماہِ فلک

تو جانتا ہے بے گماں	میں ہوں دبیرِ آسماں
فرماں مشیت کے تمام	لکھتا رہا ہوں صبح و شام
بے وجہ ڈھاؤں جور میں	رکھتا نہیں یہ طور میں
میری طبیعت معتدل	ہوتا نہیں میں مشتعل
میرا تو اس انسان پر	ہے عہدِ طفلی سے اثر
یہ ذوق و شوقِ علم و فن	میں نے لگائی یہ لگن
یہ عقل و دانش میں نے دی	ذہنوں کو تابش میں نے دی
انساں کو حکمت بخش دی	علمی بصیرت بخش دی
میں نے کیا دانائے راز	بابِ فلک انساں پہ باز
بتلا دیئے انسان کو	سکھلا دیئے انسان کو
کل رازہائے سلطنت	سارے امورِ مملکت
اَوجِ تفخّر دے دیا	اپنا تدبّر دے دیا

انسان پر اے ماہتاب　　میرے کرم ہیں بے حساب

سن کر قمر یہ گفتگو　　کہنے لگا یوں دو بدو
تو ہے دبیرِ آسماں　　بے شبہہ، بے شک، بے گماں
ہے ہاتھ میں تیرے قلم　　جو چاہے تو کر دے رقم
کوئی کرے گا کیا سوال　　معلوم ہے اوپر کا حال
اندھیر ہے اندھیر ہے　　تقدیر کا سب پھیر ہے
بخشا مذاقِ علم و فن　　ہاں ٹھیک ہے تیرا سخن
لیکن جو حکمت تو نے دی　　جیسی بصیرت تو نے دی
تجھ کو تو خود معلوم ہے　　انسان تو موہوم ہے
ذہنوں پہ ڈالا خوب جال　　پھیلا دیا دامِ خیال
امثال میں الجھا دیا　　کیا سرا سلجھا دیا

چھینی عمل کی اہلیت — ذہنوں میں گھولی عینیت

دنیا بنی اک جائے ننگ — اچھی پلائی تو نے بھنگ

پھر تیرے سرِّ مملکت — یہ رمز ہائے سلطنت

یہ تاج شاہی کا فریب — ظلِ الٰہی کا فریب

صورت بدل دی قہر کی — دی جام میں تہ زہر کی

انسان انساں کا غلام — کب کا لیا یہ انتقام

یہ تیری افسوں سازیاں — اچھی لگائیں بازیاں

باقی نہ رکھی کچھ کمی — بازی جمی تو بس جمی

تو مشترک تاثیر میں — چلتا ہوا تدبیر میں

پرہیزِ نیک و بد نہیں — تجھ کو کسی سے کد نہیں

بد ہے کہ کوئی نیک ہے — تو جان و دل سے ایک ہے

مجھ پر عیاں ہے تیرا حال — کب تک چلے گا مجھ سے چال

رتبہ سہی تیرا دوچند　　　میں ہی تو ہوں رجعت پسند
تو اور بہی خواہِ بشر　　　شرم اے عطارد شرم کر

چپ ہوگیا جب ماہتاب　　　دے کر عطارد کو جواب
گہری خموشی چھا گئی　　　تاروں کی لَو کجلا گئی
کچھ دیر یہ عالم رہا　　　آخر ستاروں نے کہا
اے چاند سچ کہتا ہے تو　　　حق پر سدا رہتا ہے تو
ہم فی الحقیقت بے ضمیر　　　رجعت پرستی میں اسیر
بُنتے رہے لاکھوں طلسم　　　کام آئی کیا تاثیرِ اسم
ظلمت کو چمکاتے رہے　　　بس خواب دکھلاتے رہے
انساں کو ہم نے بے قصور　　　بھٹکا دیا منزل سے دور
سچ پوچھ تو دشمن رہے　　　رہبر نہیں رہزن رہے

تو فطرۃً ہم سے بلند — انساں کا سچّا دردمند
گیتی سے تجھ کو پیار ہے — گیتی کو خود اقرار ہے
تجھ سے ہنسے دھانوں کے کھیت — چمکی ہر اک ساحل کی ریت
بڑھتے رہے چاہت کے سات — تیرے لئے موجوں کے ہات
بنتی رہی تیری چمک — بچوں کے سینے میں ہُمک
دل مفلسوں پہ تیرا داغ — اُن کے گھروں کا تو چراغ
دیکھا بشر کو جب زبوں — سر ہو گیا تیرا نگوں
انصاف میں کامل ہے تو — اک جگمگاتا دل ہے تو
ہاں ٹھیک ہے ماہِ مبیں — انسان وہ انساں نہیں
ہے آج سرگرمِ خرام — پہلے سے بڑھ کر تیز گام
یہ تو بتا لیکن قمر! — ہے کون اس کا راہبر
کچھ اور مہ پارے ہیں کیا؟ — کچھ دوسرے تارے ہیں کیا؟

یوں مُسکرایا ماہتاب جیسے کھِلے سیمیں گلاب

کھولا دریچہ عرش کا جاگا نظارہ فرش کا

اک نور سا بہنے لگا ہنس کر قمر کہنے لگا

آتا ہے وہ دیکھو نظر اڑتا فضا کے دوش پر

وہ پرچمِ گردوں نشاں گل ریز، گلگوں، گل فشاں

یہ صفحۂ گلشن نگار دامانِ ابرِ نو بہار

یہ قلبِ گیتی کی ترنگ تازہ ہمائے لالہ رنگ

یہ شہپرِ جبریلِ نو انساں کے دل کی سُرخ لو

یہ جلوۂ لالہ طراز یہ شعلۂ شبنم نواز

یہ سایۂ امن و اماں انسانیت کا پاسباں

یہ مشعلِ راہِ حیات چشم و چراغِ کائنات

یہ پرچمِ یاقوت فام یہ بادبانِ صبح و شام

یہ مصحفِ لالہ و رق   گیتی سے یہ ابھری شفق
اور اس شفق کے درمیاں   وہ اک ستارا ضوفشاں!
تم عرش کے سینے کے داغ   گیتی کا یہ چشم و چراغ
تم قطرہ ہائے انفعال   یہ شبنمِ خاورجمال
تم دُردِ جامِ آسماں   یہ ساقیٔ اہلِ جہاں
تم دورِ گردش میں اسیر   یہ بخت انساں کا دبیر
تم ظلمتِ ماضی میں چور   یہ حال و مستقبل کا نور
پر تو سے اس کے تابناک   روئے زمیں و قلبِ خاک
ہر تیرگی کٹ کٹ گئی   صدیوں کی ظلمت چھٹ گئی
ہاں اس سے جاگی کائنات   انگڑائی لے اٹھی حیات
جاگا افق، جاگی فضا   جاگی زمیں جاگی ہوا
جاگے چمن، جاگی پھبن   جاگے جبل، جاگے دمن

جاگے شجر، جاگے حجر — جاگے خزف، جاگے گہر

جاگے مکاں، جاگے مکیں — جاگا عمل، جاگا یقیں

جاگا دہن، جاگا خطاب — جاگا قلم، جاگی کتاب

جاگی نظر، جاگے قدم — جاگے نشاں، جاگے عَلَم

جاگا لہو، جاگا شباب — الانقلاب! الانقلاب!

دیکھو جہاں بیدار ہے — ہر کارواں بیدار ہے

اس ایک تارے کی ضیا — گلگوں نظارے کی ضیا

سارے جہاں کی راہبر — ہر کارواں کی راہبر

اس کی بہ وپہلی چھاؤں میں — پر لگ گئے ہیں پاؤں میں

منزل کی جانب ہے رواں — ہر قافلہ، ہر کارواں

پر، سب کی منزل ایک ہے — انسان کا دِل ایک ہے

کیا چیز ہیں مُلک و مقام — ہیں ایک دنیا کے عوام

یہ سرخ جانبازانِ روس　　آزاد فرزندانِ روس

یہ والگا کے نورِ عین　　یہ قلبِ استالن کا چین

کرغیز و اُزبک نوجوان　　ہنستے ہوئے تاجک کسان

یہ کج کلاہانِ جمیل　　شانِ بخارا کی دلیل

قازان کے یہ نونہال　　خاکِ بدخشاں کے یہ لال

یہ چین کے لالِ جگر　　یہ ماو کے نورِ نظر

یہ کوریا کے سرفروش　　یہ آندھرا کے سخت کوش

تبت، ملایا، ویت نام　　بلقان و جاوا کے عوام

بنگال و برما کے دلیر　　ارضِ تلنگانہ کے شیر

دنیا کے مزدور و کسان　　سارے جہاں کے نوجوان

معمار، مانجھی، کان کن　　شیشہ تراش و تیشہ زن

صاحبِ ہنر، سائنس داں　　اہلِ قلم، اہلِ زباں

فن کار و نثّار و خطیب — تاریخ داں، شاعر، ادیب

کتنے مصوّر بے مثال — کتنے مغنی باکمال

یہ مشترک اک کارواں — انسانیت کا نغمہ خواں

ہر ہر نوا ظلمت شکن — گاتا ہوا یہ رالبن

پھر گیت یہ مخدوم کے — بڑھتے جواں یہ جھوم کے

ناظم کی لے گونجی ہوئی — ہر ایک شے گونجی ہوئی

گونجی نرودا کی صدا — گونجی فضا، گونجی ہوا

گونجی ہوئی بانگِ رحیل — گونجا ہوا ہر سنگِ میل

گونجے گراں سر کوہسار — گونجے ہوئے صدیوں کے غار

گونجے ہوئے راہوں کے خم — گونجے ہوئے بڑھتے قدم

گونجا ہوا ہر سنگ وسل — گونجا ہوا دھرتی کا دل

گونجا ہوا کُل کارواں — گونجا ہوا گلگوں نشاں

کس عزم سے، کس آن سے   کس فخر سے، کس شان سے

بڑھتا ہوا با صد شرف   گلرنگ منزل کی طرف

منزل نئی، انساں نیا   محفل نئی، ساماں نیا

حکمت نئی، عرفاں نیا   آئیں نئے، فرماں نیا

کیسا ریاست کا وجود   کیا آمریت کا وجود

یاں شہریاری ہے کہاں   سرمایہ داری ہے کہاں

باقی نہ طبقاتی نظام   باقی نہ آقا و غلام

باقی نہ استحصال و جور   باقی نہ حیوانوں کے طور

باقی نہ وہ مُہرِ دہن   باقی نہ وہ دار و رسن

باقی نہ نسلی برتری   باقی نہ جنگِ زرگری

ابرِ سیہ چھائے نہیں   یاں جنگ کے سائے نہیں

لگتی نہیں مانگوں میں آگ — لُٹتا نہیں ہنستا سہاگ

ماؤں کے سینے شق نہیں — بچّوں کے چہرے فق نہیں

یاں رنگ ہی کچھ اَور ہے — یہ ڈھنگ ہی کچھ اَور ہے

نے تخت ہے نے تاج ہے — محنت کشوں کا راج ہے

جذبہ نیا ایجاد کا — رشتہ نیا افراد کا

یہ کارخانے، ہل، زمین — اوزار، کل پرزے، مشین

یاں اجتماعی، مِلک مال — ذاتی غرض کا کیا سوال

ہل جوتتے مل کر کسان — ہنستا ہوا کھیتوں میں دھان

خود جھومتا گاتا اناج — پہنے ہوئے خوشوں کا تاج

یہ رقص کرتی بالیاں — دیتی ہوائیں تالیاں

دریا لٹاتے یاں گُہر — کانیں اُگلتی سیم و زر

غوّاص ہوں یا کان کن — محنت کی ہر دل میں لگن

پیہم عمل کا اشتراک　　ڈھلتی ہوئی سونے میں خاک
یاں پیداور قوتیں　　خود زندگی کی دولتیں
یاں آدمی کی قدر ہے　　محنت کشی کی قدر ہے
محنت سے انساں کا وقار　　محنت سے عزّ و افتخار
محنت کا ہاتھوں پر غرور　　محنت کا آنکھوں میں سُرور
تفریقِ محنت یاں نہیں　　ایسی حماقت یاں نہیں
افکار ہیں بدلے ہوئے　　کردار ہیں بدلے ہوئے
آزادیاں تقریر ہے　　آزادیاں تحریر ہے
آزادیاں ہر انجمن　　آزادیاں ذوقِ سخن
آزاد یاں شعر و ادب　　آزاد یاں جہد و طلب
آزاد یاں ذوقِ جمال　　آزاد یاں حُسنِ خیال
آزاد انسانوں کا دل　　آزاد رومانوں کا دِل

انسانیت بستی ہے یاں　　خود زندگی ہنستی ہے یاں
چہروں پہ یاں صحت کا رنگ　　دوڑی لہو میں اک ترنگ
بچّوں کی رقصندہ نظر　　جیسے کسی تتلی کے پر
اک رنگ برساتی یہاں　　مانگوں کی گلگوں کہکشاں
رقصاں خوشی ہر چھاؤں میں　　پا زیب باندھے پاؤں میں
یاں گیت ہے یاں پیار ہے　　یاں زندگی سرشار ہے
یاں آب و گل کی آبرو　　یاں سنگ و سل کی آبرو
یاں خار و خس کا احترام　　یاں ہر نفس کا احترام
یاں تجربہ، حکمت، عمل　　صدیوں کے وہموں کا بدل
کرنیں لٹاتی آب و رنگ　　بلّور بنتے خشت و سنگ
قطروں میں بجلی کے شرار　　ذرّوں میں جوہر کا نکھار
یاں بحر و بر پر اختیار　　برق و شرر پر اختیار

انساں کے ہاتھوں میں مدام — سرکش عناصر کی لگام
قبضے میں یاں تدبیر ہے — قبضے میں یاں تقدیر ہے
انساں بڑھے گا اور بھی — آئے گا ایسا دَور بھی
ہو گا فضا پر اقتدار — سرِّ قضا پر اقتدار
آئے گا گردوں زیرِ دام — قبضے میں ہوں گے صبح و شام
خود کہکشاں افلاک پر — بن جائے گی اک رہ گذر
اے ماہ پارو کیا ہو گُم — کل خود قدم چومو گے تُم

یہ سُرخ منزل کی فضا — یہ عرصہ گاہِ ارتقا
اک عرصۂ لامحدود ہے — اک عالمِ مقصود ہے
یہ جنّت نوعِ بشر — یہ مرجعِ قلب و نظر

یہ منزلِ انسانِ نو — یہ حاصلِ ایمانِ نو
خود ارتقا بھی دنگ ہے — وہ کعبۂ گلرنگ ہے

چُپ ہو گیا جب دم تمر — چھایا فضا پر وہ اثر
تاروں کی سانسیں رُک گئیں — زُہرہ کی نظریں جھک گئیں
بھولا وہ دعوے مشتری — سب رہ گئی نیک اختری
مریخ دل میں کٹ گیا — اپنی نظر میں گھٹ گیا
سر تھا عطارد کا بھی خم — چُپ رہ گیا رکھ کر قلم

اور پھر فضا میں دفعتہً — لَے بن کے گونجی ہر کرن

گونجی ستاروں کی صدا　　کُل ماہ پاروں کی صدا

گلگوں نظارے کو سلام　　رہبر ستارے کو سلام

اس سُرخ پرچم کو سلام　　اس سُرخ عالم کو سلام

اے آدمِ نَو زندہ باد

تابندہ و پائندہ باد

٦٥٠

خلیل احمد پرنٹر و پبلشر نے قادری پریس محمد علی روڈ بمبئی ۳ میں چھپوا کر، ادارہ
"ادب و زندگی" ۲۱ ارکیڈیا بلڈنگ بمبئی ۵ سے شائع کیا